بفیضانِ نظر: مفتی تقدس علی خاں رحمۃ اللہ علیہ * پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ * علامہ شمس الحسن شمس بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ ادارہ: مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

محسنِ ادارہ: الحاج شفیع محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

ISBN 978-969-9266-04-1

مفکرِ اسلام امام احمد رضا حنفی کے اصلاحی و تحقیقی افکار کا ترجمان

ماہنامہ معارفِ رضا کراچی

جلد: 31 شمارہ: 04

اپریل ۲۰۱۱ء / ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ

مدیرِ اعلیٰ: صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: پروفیسر دلاور خاں

حُسنِ ترتیب

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

25-جاپان مینشن، ریگل، صدر، جی پی او صدر، کراچی-74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان۔
فون: 92-21-32725150+ فیکس: 92-21-32732369+
ای میل: imamahmadraza@gmail.com
ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

ہدیہ فی شمارہ: 30 روپے
سالانہ: عام ڈاک سے: 300/- روپے
رجسٹرڈ ڈاک سے: 600/- روپے
بیرونِ ممالک: 30 امریکی ڈالر سالانہ

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام "ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا" ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔ ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214 حبیب بینک لمیٹڈ پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا۔)

اپنی بات

نوید انقلاب

پروفیسر دلاور خاں

موجودہ نظامِ تعلیم ایک آزاد قوم اور نظریاتی مملکت کے مقاصد کے حصول میں ناکام ہے۔ جب کہ ہر دور میں بہترین تعلیمی پالیسی بنانے کے دعوے کیے گئے لیکن آج بھی یہ نظامِ تعلیم سرکاری مشینری کو چلانے کے لیے قابلیت، علم اور مہارت سے عاری ورکرز مہیا کر رہا ہے۔ اس نظامِ تعلیم سے فارغ التحصیل طبقہ مطلوبہ ملکی و نظریاتی قابلیت کے پیش نظر تخلیقی و تحقیقی مہارتوں کی صلاحیت سے بالعموم محروم دکھائی دیتا ہے۔ اس سے بڑا المیہ یہ ہے کہ قومی بجٹ کا مضحکہ خیز کم ترین حصہ تعلیم جیسے اہم اور ناگزیر شعبے پر خرچ کیا جاتا ہے۔ تعلیمی ناقدری کی بات یہاں تک محدود نہیں بلکہ بوقتِ ضرورت حکمرانوں کو اپنی شاہ خرچیوں کو کم کرنے کی بجائے تعلیمی بجٹ میں مزید کمی کر کے اسے پورا کرنے کی ناعاقبت اندیش روش اختیار کی جاتی ہے۔* یہ حقیقت بالکل عیاں ہے جن اقوام نے تعلیم کو اپنی اولین ترجیح قرار دیا وہی قومیں سیاسی، معاشی، علمی اور دفاعی استحکام و ترقی کی راہیں تیزی سے طے کر رہی ہیں۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ناخواندہ و نیم تعلیم یافتہ قوم اپنے قدرتی، انسانی اور مالیاتی وسائل کو منظم طریقے سے بروئے کار لانے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یقیناً سیاسی، معاشی، معاشرتی و دفاعی عدم استحکام کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

پاکستان کی آبادی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کا ایک بڑا حصہ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ افلاس و مہنگائی میں پسے ہوئے والدین کی پرنم آنکھیں اپنے نونہالوں کو زیورِ تعلیم سے مزین، خواب کی تعبیر میں سرگرداں ہیں نہ جانے ایک مزدور کا بیٹا کب اعلیٰ تعلیم کی منازل اس پر آشوب دور میں طے کرے گا۔ ملک میں یکساں نظامِ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ذہین مگر کم آمدنی سے تعلق رکھنے والے طلبا نفسیاتی، معاشرتی اور ذہنی الجھنوں کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ مالی وسائل نہ ہونے کی بنا پر قوم و ملت کا یہ قیمتی اثاثہ حصولِ تعلیم کو خیر آباد کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہمارا نظامِ تعلیم ایسے زرخیز دماغوں کو اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا کوئی موقع فراہم نہیں کرتا اس طرح سرمایہ دار اقلیت نے قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک غریب اور متوسط اکثریت کا ہر پہلو سے ہمیشہ استحصال کیا ہے۔

کیا یہ صورتِ حال قیامِ پاکستان اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کے فکر و فلسفہ کی عکاسی کرتی ہے، جس کا اظہار آپ نے مارچ ۱۹۴۷ء میں کلکتہ میں منعقدہ ورکر کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"Why Would, I turn my blood into water run about and take so much trouble not for the capitalist surely but for you the poor people."

ترجمہ: "میں اپنا خون پسینہ ایک کیوں کروں اتنی بھاگ دوڑ اور مشقت کیوں؟ یقیناً سرمایہ داروں کے لیے نہیں بلکہ صرف آپ غریب عوام کے لیے۔"

گجرات میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا:

"Without education, It was complete darkness and with education, It was light; education is a matter of life and death to our nation."

"تعلیم کے بغیر مکمل تاریکی ہے اور تعلیم روشنی ہے؛ تعلیم ہماری قوم کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔" (قائد اعظم اور قومی تعلیم، ص ۶۰۔۶۷)

قائد کا تعلیمی خواب آج تک شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ کیا غریب عوام کی اس تعلیمی کیفیت کو بدلنے کا کوئی منصوبہ ہے۔ حکومت کی کوششیں اپنی جگہ، یقیناً اس پستی اور درماندگی میں مبتلا قوم مفکرِ اسلام امام احمد رضا محدث حنفی کو اس درد کے درماں کے لیے پکارتی ہے اور اس واثق اُمّید سے پکار رہی ہے کہ حضرتِ رضا نے ملت اسلامیہ کے لیے ہر محاذ پر رہبری و رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا۔ قوم کی آواز پر

لبیک کہتے ہوئے آپ نے غریب اور پس ماندہ طبقہ کو زبوں حالی سے نکالنے کے لیے تعلیمی انقلاب کی نوید یوں سنائی:

"ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو ان کا اعم و اشمل و اعلیٰ و اکمل و اہم اجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار و مخالفت سے کافر یا بدعتی، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلیم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں۔"

مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک عقائد کے علم کے بعد ایک مسلمان کے لیے جن علوم کا سیکھنا ضروری ہے ان میں درج ذیل علوم شامل ہیں:

"علمِ مسائل نماز یعنی اس کے فرائض و شرائط و مفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے۔ پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم (یعنی روزے کے مسائل) مالکِ نصابِ نامی ہو تو مسائلِ زکوٰۃ، صاحبِ استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کیا جائے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے تاجر ہو تو مسائل بیع و شراء (خرید و فروخت) مزارع (کاشت کار) پر مسائل زراعت موجر (کرایہ یا اجرت پر کام کرنے والا) ومستاجر (ٹھیکیدار یا مزدور) ہو تو اس پر مسائل اجارہ، وعلیٰ ھذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالتِ موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرضِ عین ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۳، ص ۶۲۴)

اس اقتباس میں شیخ الاسلام امام احمد رضا نے ملتِ اسلامیہ کے ہر مرد و زن کو اس کی موجودہ حالت اور ذمہ داریوں سے متعلق اسلامی تعلیمات کے حصول کو فرض عین قرار دیا ہے۔ اس طرح آپ نے Learning society کے فلسفے کی بنیاد رکھی جس پر عمل پیرا ہو کر مسلم امہ کا ہر فرد تعلیمی انقلاب کی تحریک میں شامل ہو کر ملک و ملت کا تابندہ ستارہ بن سکتا ہے۔

ماہر تعلیم کے طور پر جہاں امام اہلِ سنّت نے تعلیم کی مختلف جہات یا مختلف پہلوؤں کی طرف رہنمائی فرمائی وہاں اس مسئلے کا حل بھی پیش کیا کہ تعلیم کے فروغ کے وسائل کون مہیا کرے گا۔ آپ کے نظریات کی رو سے حکومت، انفرادی کوشش اور معاشرہ تینوں کی ذمہ داری ہے کہ تعلیم کے حصول میں طلبا کو جو بھی مسائل درپیش ہوں ان کا حل ترجیحی بنیادوں پر تلاش کیا جائے۔ اس سلسلے میں آپ الاھم فالاھم (نظریہ ترجیح) کا شعور عوام میں بیدار کرتے ہیں یعنی دنیائے اسلام خاص طور پر پاکستان مذہبی تقریبات اور صدقاتِ نافلہ میں اربوں روپے خرچ کرنا ایک معمول بن گیا ہے۔ ان تقریبات اور صدقاتِ نافلہ کی اہمیت اور شرعی حیثیت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام مسلمانوں میں ایصالِ ثواب صرف طعام پر خرچ کرنے کا تصور راسخ ہو گیا ہے جبکہ مذہب اہلِ سنّت میں ایصالِ ثواب کا اتنا محدود تصور نہیں ہے۔ اس تصور کی وجہ سے ایصالِ ثواب اور مذہبی تقریبات پر عوام اہلِ سنّت کے کھربوں روپے صرف ہونے کے باوجود اتنی بڑی رقم کے مذہبی سیاسی، معاشی، معاشرتی تعلیمی اور دفاعی اثرات دیکھنے میں نظر نہیں آتے، اس کی اہم وجہ صرف الاھم فالاھم کے اصول سے غفلت اور اس اصول کے عدم ابلاغ کی وجہ سے اتنی کثیر رقم کے اثرات اہلِ سنّت کی ترقی میں دکھائی نہیں دیتے کیونکہ کوئی فرد قوم جب تک اس ضابطے کا خیال نہ رکھے کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔

امام اہلِ سنّت کے افکار و تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو ہر جگہ اس اصول کی ترویج و اشاعت اور اس کے عملی حصول کی جلوہ نمائی دکھائی دیتی ہے بالخصوص ایصالِ ثواب کی دیگر جائز صورتوں پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نظریہ ترجیح کے تحت تعلیم پر خرچ کرنے کو اولین ترجیح قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں شیخ الاسلام نے تعلیم پر ایصالِ ثواب کی رقم خرچ کرنے کی بنیاد فراہم کی اعلیٰ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک صاحب بغرض ثواب اپنے جائز روپے سے ماہواری یا سالانہ کھانا پکوا کر فاتحہ حضور پر نور ﷺ کیا کرتے ہیں اور کھانا مساکین وغیر مساکین کو کھلا دیتے ہیں یا تقسیم کر دیتے ہیں، ایک طالب علم حنفی قادری سنی سید کہ جس کی تعلیم دینی بوجہ نہ استطاعت ہونے کے اس کے ولی (سربراہ) کے غیر مکمل رہی جاتی ہو اور علوم دینی حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اس طالبِ علم آلِ مصطفیٰ ﷺ کے بدعقیدہ ہو جانے کا اندیشہ ہو اس صورت میں اگر وہ روپیہ جو کہ فاتحہ میں صرف (خرچ) کیا جاتا ہے اگر اس طالب علم کے تعلیم دینی میں بہ نیت ثواب فاتحہ حضور ﷺ صرف کر دیا جائے تو بدل اس فاتحہ سالانہ یا ماہواری کا ہو کر باعث

خوشنودیِ سردارِ دو عالم ﷺ ہوگا یا نہیں اور ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب: یہ اس کا نعم البدل ہوگا اور ثواب میں کمی کیا معنیٰ، اس سے ستر گنا کی زیادہ امید ہے بطور مذکورہ کھانا پکا کر کھلانے یا بانٹنے میں ایک کے دس ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جو نیکی بجالاتا ہے اس کے لیے اس کی دس مثل ہیں۔ (الانعام:۱۶۱)

اور طالبِ علمِ دین کی اعانت میں کم سے کم ایک کے سات سو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (البقرہ:۲۶۱)

ترجمہ: ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح جس نے اگائیں سات بالیاں، ہر بالی میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

درمختار میں ہے: "فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جن کے پاس خرچہ و اسلحہ نہ ہو بعض نے کہا حاجی، اور بعض نے کہا اس سے خصوصاً طلبۂ علم مراد ہیں۔" جبکہ اس (تعلیم) میں حفظ ہدایت ہو صحیح حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

لان یھدی اللہ بك رجلا خیرلك مما طلعت علیہ الشمس

"تیری وجہ سے کسی کا ہدایت پا جانا ہر اس شے سے بہتر ہے جس پر طلوعِ آفتاب ہو۔" (فتاوٰی رضویہ، جلد ۱۰، ص ۳۰۵-۳۰۶، طبع جدید لاہور)

آپ نے دیکھا کہ امام اہلِ سنّت نے ایصالِ ثواب میں بھی اصولِ ترجیح کو اپنایا ہے کہ اگر کھانا پکا کر ایصالِ ثواب کیا جائے تو دس گنا ثواب ملے گا لیکن ترجیح کے تحت اگر وہ رقم کسی طالبِ علم کی اعانت میں خرچ کی جائے تو اسے کم سے کم سات سو گنا ثواب ملے گا۔ اس لیے اعلیٰ حضرت جابجا فتاوٰی رضویہ میں فرماتے ہیں "من لم یعرف اھلِ زمانہ فھو جاھل" جو عصری مسائل اور ترجیحات سے نابلد ہے یقیناً ایسا شخص جاہل ہے۔

اسلامی دنیا اور بالخصوص وطن عزیز پاکستان کے مسائل پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو ہمیں کئی مسائل کے چیلنج کا سامنا ہے۔ یقیناً یہ تمام مسائل یکساں نوعیت کے نہیں اور نہ ہی ایک وقت میں ان تمام مسائل کا حل ممکن ہے، بلکہ دیکھا جائے تو وہ کون سا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے دیگر مسائل جنم لے رہے ہیں۔ اگر اس ام المسائل کو حل کر دیا جائے تو یقیناً دیگر مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اس تناظر میں ہمیں تعلیمی مسئلے حل کرنے کو اولین ترجیح دینی چاہیے۔ اس سلسلے میں صدقاتِ نافلہ اور صدقاتِ واجبہ کو خرچ کرنے سے پہلے ترجیحات میں تعلیم کو اولیت دی جائے اور ایسے ذہین اور پس ماندہ طلباء کے تعلیمی اخراجات پر ان کھربوں روپوں میں سے اگر کروڑوں روپے فکرِ رضا کی روشنی میں خرچ کر دیے جائیں تو یقیناً تعلیمی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔

مسلمان دنیا میں کمزور اور پس ماندہ کیوں ہیں اس لیے کہ ہم انفرادی، اجتماعی اور حکومتی سطح پر دینی اور عصری تعلیم کو ترجیحی بنیادوں پر بروئے کار نہیں لا رہے۔ مسلم ممالک میں اوسطاً شرح خواندگی تقریباً ۴۰ فی صد ہے اور دنیا میں کوئی ایک بھی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں شرح خواندگی سو فیصد ہو جبکہ غیر مسلم ممالک میں تعلیم اولین ترجیح میں شامل ہے۔ عیسائی دنیا میں تقریباً ۹۸ فیصد افراد پڑھے لکھے یا خواندہ ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی مجموعی پیداوار کا پانچ فیصد حصہ تعلیم و تحقیق پر خرچ کرتے ہیں جبکہ مسلم دنیا اپنی مجموعی پیداوار کا صرف اعشاریہ دو فیصد تعلیم و تحقیق پر خرچ کرتی ہے۔ مستقبل تو انہیں معاشروں کا ہوگا جن کی بنیاد علم و آگہی پر رکھی گئی ہوگی۔

فکرِ رضا کی روشنی میں اس فکر اور Mindset کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے کہ ایصالِ ثواب محض لنگر اور طعام کے ذریعے ہو تا بلکہ علما کی ذمے داری ہے وہ محراب و منبر کے ذریعے عوام میں یہ شعور پیدا کریں کہ ایصالِ کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر مستحق اور ذہین طلبا پر ایصالِ ثواب کی نیت سے صرف کرنا سات سو گنا زیادہ ثواب ہے جبکہ کھانا پکا کر تقسیم کرنے کا دس گنا ثواب ہے۔ فکرِ رضا کی اس تعلیمی تحریک میں ہر فرد انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنا کردار ادا کرے تو امّتِ مسلمہ چند سالوں میں نشأۃ ثانیہ سے ہم کنار ہو سکتی ہے۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋

"ذالک الکتاب" اور تحقیقاتِ رضا

پروفیسر دلاور خان

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی وہ بلند رتبہ کتاب ہے جہاں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض لوگوں نے اس میں شک کیا۔ قیامت تک جو بھی اس کتابِ مبین میں شک کرے گا یقیناً اس کی فکر یہودی عزائم کا تسلسل ہو گا۔ قرآن میں ریب کی پالیسی اپنانے والوں کو سمجھنے کے لیے قرآنِ حکیم کے پس منظر اور نزولِ قرآن سے قبل کے حالات کا ایک جائزہ لینا ضروری ہے۔

حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل یہاں یہودی آباد تھے جو ہرقل کی فتح کے بعد عراق سے فرار ہو کر مدینہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ مدینے کے مشرقی حصے میں بنو نضیر کی بستیاں اور باغات تھے۔ جنوب کی طرف بنو قریظہ کی آبادی تھی اور جنوب مغرب کی طرف بنو قینقاع آباد تھے۔ ان یہودیوں کی آبادی اوس و خزرج کے قبائل کی مجموعی آبادی کے مساوی تھی۔ مدینے کی معیشت پر یہودیوں کا کنٹرول تھا۔ یہاں اوس و خزرج کا قبیلہ بنی قحطان تھا جس کی اکثر و بیشتر یہودیوں سے مڈھ بھیڑ ہو جایا کرتی تھی۔ اس دوران یہودیوں نے بنی اسرائیل کے انبیاء کی بشارتوں کی روشنی میں اس حقیقت کا کافی چرچا کیا کہ ایک اللہ کے نبی اور کتاب آنے والی ہے جس کے ساتھ مل کر وہ اہل مدینہ کے قبائل کو شکست دے کر پورے مدینہ پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اہل مدینہ کے اذہان میں یہ حقیقت رچ بس گئی تھی کہ ایک کتاب اور پیغمبر ضرور تشریف لائیں گے۔ چنانچہ ان کے دلوں میں اب یہ خواہش طلاطم کی طرح تڑپ رہی تھی کہ جب بھی وہ نبی موعود و منتظر تشریف لائیں گے وہ یہودیوں سے پہلے اس نبی پر ایمان لانے کا فخر و سعادت حاصل کریں۔ چنانچہ انہی میں سے کچھ لوگ سالانہ میلے "جاہلیت کے دوران حج" پر مکہ مکرمہ گئے تو ان کو نبی کریم ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔ ملاقات کیا ہوئی کہ دنیا ہی پلٹ گئی، مدتوں جو خواب دیکھ رہے تھے اس کی تعبیر مل گئی۔ تعلیماتِ رسول ﷺ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً نبی کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت ہو گئے اور حضور ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت دی۔

ہجرت کا عظیم الشان اور انقلاب آفریں واقعہ جب پیش آیا تو مکہ سے حضور ﷺ اور مہاجرین آئے اور ساری بستی کا معاشی، سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی نقشہ بدل گیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کیا اور یہودیوں سے معاہدہ فرمایا۔ اس حکمتِ عملی سے یہودیوں کی سیاسی اور معاشی قوت کا جو تسلط قائم تھا جس کی وجہ سے اہل مدینہ ان سے مرعوب تھے وہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ یہودیوں کے انصار پر اثرات روز بروز کم ہوتے چلے گئے۔ مدینہ اسلامی ریاست کا مرکز بن گیا۔ ہر طرف سے قبائل آنے لگے۔ جو انصار صرف کاشتکار تھے اب وہ اسلامی فوج کے کمانڈر اور مجاہدین اور جن کی حالت خستہ تھی دیکھتے ہی دیکھتے وہ خوش حال ہو گئے۔

رسولِ کریم ﷺ کی کامیابی یہودیوں کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ میثاق مدینہ کے باوجود یہ در پردہ رسولِ اکرم ﷺ سے عداوت رکھتے تھے سچ تو یہ ہے کہ یہودیوں کی انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں ان کا گستاخانہ رویہ پھر عود کر آیا اور وہ نبی آخر الزماں محمد ﷺ بارے میں بھی انہوں نے یہی وطیرہ اختیار کیا جن کی تاریخ غدر، خیانت اور عہد شکنی سے بھری پڑی ہے۔ وہ مسلمانوں کی صفوں کے اندر سازش، لڑانے بھڑانے اور ہنگامے اور اضطراب کی کوشش کرنے لگے۔ اشاعتِ اسلام کی راہ مسدود کرنے کا کوئی حربہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ یہودیوں کی سازشی ذہنیت کی نشاندہی ممتاز سیرت نگار پروفیسر سید عبد الرحمٰن بخاری یوں بیان کرتے ہیں:

"قرانِ حکیم میں کم از کم پانچ سو آیات ایسی ملتی ہیں جن سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہود نے کتنی بڑی بڑی اور بھیانک خرابیاں

نوع انسانی کے مزاج میں اتار دیں۔" (امہ سیرت انسائیکلوپیڈیا، جلد سوم)

فلک نے یہ عجب تماشا دیکھا کہ یہود جو کل تک الکتاب اور نبیِ کریم ﷺ کی آمد کی بشارت سناتے سناتے نہیں تھکتے تھے جس پر ایمان لانے کا ان سے اللہ تعالیٰ نے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل کے واسطے پختہ عہد و پیمان لیا تھا اور انہوں نے بھی ایمان لانے کا پختہ عہد و پیمان کیا تھا۔ جب نبی کریم ﷺ بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو انہوں نے طے کر لیا کہ اس نبی اور قرآن پر ایمان نہیں لانا ہے۔ نفس پرستی کا ایسا شکار ہوئے کہ اپنی قیادت کو ہاتھوں سے نکلتے دیکھ کر انہوں نے شعوری طور پر طے کرنے کے بعد قرآن میں ریب کی پالیسی اپنائی۔ قرآن نے ان کی اس کج روی کو چیلنج کیا کہ اگر تمہیں اس کتاب کے موعودہ اور منتظر ہونے میں شک ہے تو اس جیسی تم سب مل کر ایک آیت ہی لے آؤ یقیناً، اے یہود! تم قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے۔ اس آیت میں ان کی سرزنش کی جا رہی ہے کہ قرآن کے وہی بلند رتبہ کتاب ہونے میں کسی قسم کے شک کی کوئی جگہ نہیں۔ اس حکمت کے تحت اس آیت میں "ذالک" کا لفظ "الکتاب" کے لئے استعمال کر کے یہود کی سابقہ یادداشت اور روش کو مہمیز گیا ہے۔

اس سیاق و سباق کے تناظر میں مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن، قرآن فہمی کے داعی امام احمد رضا محدث حنفی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲ کا یوں ترجمہ فرماتے ہیں:

"ذالك الكتاب لا ريب فيه هدًى للمتقين"

"وہ بلند رتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈروالوں کو۔"

آپ ذالک الکتاب کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں:

"سورۂ کریمہ (بقرۃ) مدنیہ ہے۔ مدینۂ منورہ میں تشریف آوریِ حضورِ اقدس ﷺ سے قبل یہود آپ سے خوب واقف تھے کہ بعثتِ اقدس کے منتظر تھے تو ان میں قرانِ عظیم خوب معہود و معروف تھا کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ جن کے انتظار میں ہم یہاں آباد ہیں ان پر ایسی کتاب اترے گی تو یہ فرمایا گیا کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے تم منتظر تھے۔ دوسرے جملے سے اس کی تاکید فرمائی لاریب فیہ، اس کے وہ کتابِ معہود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔"
(جامع الاحادیث، جلد نمبر ۸، ص ۱۶۵)

ذالك میں ایک نکتہ یہ بھی پنہاں ہے کہ جو چیز مخاطب کے علم میں ہو یا جس کا ذکر گفتگو میں آچکا ہو تو اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو تو ذالک کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہودیوں کو کتاب موعودہ کا علم پہلے سے تھا، وہ اس کتاب کے منتظر تھے اور بار بار اس کتاب کے بارے میں تذکرہ کیا کرتے تھے۔ اس حکمت کے تحت یہاں قرآن میں ذالک کا لفظ استعمال ہوا۔ یہ قرآن کا ایک مسلمہ اسلوب ہے کہ جس کی کئی امثال قرآن مجید میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں مثلاً "ذالك يوم الوعيد" اسی طرح نزع کی سختی کے بارے میں بیان فرمایا:

"ذالك ما كنت منه تحيد"

قرآنِ پاک کا یہ امتیازی اسلوب ہے کہ جب کسی کی عظمت و رفعت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو تو اس کی عظمت و شان کو اجاگر کرنے کے لئے اشارۂ بعید کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے ذالك الكتاب، ذلك فضل الله، قل هو الله احد، هوالذی ارسل۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے بعید کا اشارہ استعمال کیا گیا ہے یقیناً اشارۂ بعید عظمت و شان کے لیے استعمال ہوا۔

علامہ جلال الدین سیوطی سورتوں کے اختتام اور آغاز کی مناسبت کے بارے میں فرماتے ہیں: "سورۃ البقرہ کا افتتاح (آغاز) "الم ذالك الكتاب" کے ساتھ ہونے سے الصراط کی جانب اشارہ پایا جاتا ہے جو کہ قولہ تعالیٰ "اهدنا الصراط المستقيم" میں ہے گویا جس وقت ان لوگوں نے صراطِ مستقیم کی جانب ہدایت کا سوال کیا تو اس وقت ان سے کہا گیا کہ جس صراط کی طرف تم راستہ دکھانے کی خواہش کرتے ہو، وہ کتاب ہی ہے اور یہ عمدہ معنی ہیں اس سے سورۃ البقرہ کا ارتباط سورہ فاتحہ کے ساتھ ہو ظاہر ہوتا ہے۔ (الاتقان حصہ دوم، ص ۳۴۷)

علامہ پیر محمد چشتی لکھتے ہیں کہ "ذالك الكتاب" میں لفظ "ذا" اسمِ اشارہ ہے جو مشار الیہ محسوس مبصر اور قریب کے لئے بولا جاتا ہے، "ل" حرفِ تبعید ہے جو مشار الیہ کے بعید ہونے پر دلالت کرتا ہے،

"ک" حرف خطاب ہے جو مخاطب کے واحد مذکر ہونے پر دلالت کرنے کے ساتھ اس کے مجموع یعنی "ذالک" کے زیادہ بعید ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا ایک اسم اور دو حروف کے ان تینوں الفاظ سے ترکیب پا کر چار مفہومات و مدلولات پر دلالت کرنے والے اس لفظ کا ترجمہ ظاہر کرنا مترجم کے لئے بڑا امتحان ہے۔ اس پر مستزادیہ کہ اس کے بعد متصلاً "الکتاب" یعنی "ذالك الكتاب" میں لفظ "کتاب" چاہے خبر ہو یا صفت بہر حال ترجمے میں اس کے ترکیبی معنی و مفہوم کا اظہار کرنا بھی مترجم کے فرائض میں شامل ہے کہ ترجمے کا حق ادا ہو سکے۔

ان حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو جن مترجمین نے "ذالك الكتاب" کا ترجمہ "اس کتاب" یا "یہ کتاب" کے الفاظ میں کیا ہے انہوں نے صرف اسمِ اشارہ "ذا" کا ترجمہ کیا ہے۔ باقی تینوں سے خاموشی ہے اور جنہوں نے وہ کہا ہے انہوں نے صرف حرف تبعید "ل" کا ترجمہ کیا ہے۔ اسمِ اشارہ سمیت باقی سب سے خاموشی ہے: جبکہ امام احمد رضا نے اپنے ترجمے میں "وہ بلند رتبہ کتاب" کہہ کر حتی المقدور سب کا اظہار کیا ہے۔ اس طرح امام احمد رضا کے اس انفرادی منہج میں بھی دوسرے مترجمین پر عرفانی امتیاز ہے۔ (معارف رضا، سالنامہ ۲۰۰۹ء، ص۲۳۶)

عقل حیران و ششدر ہے کہ مفکرِ اسلام احمد رضا محدث حنفی نے "ذالك الكتاب" کے ایک مختصر مگر جامع ترجمے میں قرآن فہمی کی کثیر جہات کو اتنی خوبصورتی سے نبھایا کہ یہ ترجمہ ایک ہیرے کی مانند دکھائی دے رہا ہے کنزالایمان کا جس فکری اور علمی پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے تو ہر پہلو امام احمد رضا کی جلالتِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس کی بلندی تک عام مترجمین کی فکری پرواز دم توڑتی دکھائی دیتی ہے۔ اس ترجمے کا کمال تو یہ ہے کہ اس کی حکمت کی تلاش میں جتنا بھی غور و فکر سے کام لیا جائے تو ایسے ایسے علم و حکمت کے موتی اپنی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ جو دوسرے مترجمین کے یہاں کمیاب ہیں۔ مترجمِ اعظم الشیخ احمد رضا محدث حنفی کی قرآن فہمی، قرآن سے ان کی قلبی و روحانی وابستگی کی ایک اور جھلک ان مستند اور معروف عربی تفاسیر میں دکھائی دیتی ہے جنہیں پیشِ نظر رکھ کر آپ نے عدیم المثال ترجمہ کر کے قرآن فہمی کے شائقین کی روح کی جلا کے لیے زادِ سعید کے طور پر مہیا فرمایا۔ اس تناظر میں چند معروف مفسرین کے علمی اور روح پرور تفسیری اقوال ملاحظہ ہوں:

☆الزمخشری ۵۳۸ھ

هو ذلك الكتاب الموعود (تفسیر کشاف)

وہ کتاب جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔

☆الرازی ۶۰۶ھ

هو ذلك الكتاب المثبت في اللوح المحفوظ (التفسیر الکبیر)

وہ کتاب جو لوح محفوظ میں موجود ہے

☆ابن کثیر ۷۷۴ھ

وان المراد بذالك الكتاب الاشارة الى التوراة و الانجيل۔ (تفسیر ابن کثیر)

وہ کتاب جس کا اشارہ توراۃ وانجیل میں ہے۔

☆البیضاوی ۶۸۵ھ

والمراد به الكتاب الموعود (تفسیر البیضاوی)

وہ کتاب جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔

☆فیروز آبادی ۸۱۷ھ

ذلك الكتاب يعني اللوح المحفوظ

ذلك الكتاب يعني تورة و انجيل (تفسیر القرآن)

وہ کتاب جو لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔

وہ کتاب جس کا اشارہ توراۃ وانجیل میں ہے۔

☆ابن عبد السلام ۶۶۰ھ

الكتاب الذي ذكرته في التوراة و الانجيل (تفسیر القرآن)

وہ کتاب جس کا ذکر توراۃ وانجیل میں ہے۔

☆نسفی ۷۱۰ھ

ذلك الكتاب الذي وعد به على لسان موسى وعيسى عليهما الصلوة والسلام (مدارک)

وہ کتاب جس کا حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ (علیہما الصلوۃ

والسلام) نے اپنی زبان سے وعدہ کیا تھا۔

☆الخازن ۷۲۵ھ

هوالكتاب المثبت فى اللوح المحفوظ (الخازن)

وہ کتاب جو لوح محفوظ میں موجود ہے۔

☆اسماعیل حقی ۱۱۲۷ھ

والمراد به الكتاب الكامل الموعود انزاله فى الكتب المتقدمه (روح البیان)

اس سے مراد وہ کتابِ کامل جس کے نازل ہونے کا وعدہ کتبِ متقدمہ میں کیا گیا تھا۔

☆الطوسی ۴۶۰ھ

ذلك الكتاب الذى وعدوا به على لسان موسى و عيسى

كما قال الذين اتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابناءهم (جامع للعلوم القرآن)

☆الفیض الکاشانی ۱۰۹۰ھ

هو ذلك الكتاب الذى اخبرت به موسى عليه السلام

و من بعده من الانبياء و هم اخبروا بنى اسرائيل۔ (تفسیر الصافی)

''ذالك الكتاب'' کے ترجمے سے متعلق مفکرِ اسلام امام احمد رضا محدث حنفی کی تحقیقات اردو کے قدیم اور جدید تراجم پر فائق ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ترجمہ کرتے وقت سہل پسندی اور صرف لغت کو بنیاد بنا کر ترجمہ کرنے کے قائل نہیں بلکہ ترجمہ کرتے وقت تعقل، تدبر، تفکر اور حکمتِ قرآن کو پیشِ نظر رکھ کر ترجمے کا فریضہ سر انجام دیتے ہیں۔ یہ علم و حکمت و تحقیق کے موتی دیگر مترجمین میں دکھائی نہیں دیتے ''ذالك الكتاب'' سے متعلق چند معروف تراجم ملاحظہ ہوں:

☆ یہ کتاب کہ کوئی شبہ اس میں نہیں (عبدالماجد)
☆ اس کتاب میں کوئی شک نہیں (مولانا محمود الحسن)
☆ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں (اشرف علی)
☆ اس کتاب میں کوئی شک نہیں (شاہ عبدالقادر)
☆ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں (مولانا مودودی)
☆یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (فتح محمد)
☆یہ کتاب ہے شک نہیں اس میں (رشید الدین غزنوی)
☆یہ کتاب ہے کہ نہیں شک بیچ اس کے (شاہ رفیع الدین)
☆یہ کتاب ہے اس میں شک نہیں (سید امیر علی)
☆یہ کتابِ الٰہی ہے اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں (امین احسن اصلاحی)
☆اس کتاب کے خدا کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں (محمد میمن جوناگڑھی)

مذکورہ بالا تراجم کا ایک اور پہلو سے مطالعہ کریں تو اس میں یکسانیت پائی جاتی ہے تمام کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں''

قرآن وہ عظیم الشان کتاب ہے جو کتبِ سماویہ کی تصدیق کرتی ہے اس کی آمد سے پہلے یہود، کفار کے مقابلے میں قرآن اور صاحبِ قرآن کے وسیلے سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے جب وہ مبارک کتاب آگئی تو اسے ماننے کی بجائے اس میں شک و شبہ کرنے لگے اس تناظر میں مذکورہ ترجمہ میں امام احمد رضا حنفی یوں فرماتے ہیں ''وہ بلند رتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں۔''

مفکرِ اسلام امام احمد رضا محدثِ حنفی کی قرآن فہمی سے متعلق یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ قرآن میں غور، فکر، تعقل، تدبر کرنا اور شب و روز اسی میں صرف کرنا امام احمد رضا کا وہ عمل تھا جس سے آپ ''فنافی القرآن'' دکھائی دیتے ہیں۔

اس آیت کے جزو کا ترجمہ کرتے وقت آپ نے کس قدر غور و فکر اور کتنے علوم کو بر تا ہوگا۔ اس کا اندازہ عام قاری کو اتنا نہیں ہوگا جتنا قرآن فہمی سے شغف رکھنے والے محققین کو ترجمے میں آپ نے یہودیوں کی فکری، نظری، سیاسی اور نفسیاتی کیفیات کی جھلک دکھائی کہ اے یہود جو جگہ شک سے مبرہ و منزہ ہے جہاں شک کا گذر تک نہیں اس جگہ شک کرنا تمہاری نفس پرستی اور دماغی خلل ہی ہو سکتا ہے خواہش نفس کی قید اور شک سازی کے اندھیروں سے نکلو اپنے فکری اور نفسیاتی رویوں کی اصلاح کرو، کامل یقین رکھو کے وہ عظیم الشان کتاب جہاں شک کی کوئی جگہ نہیں وہ قرآن ہی ہے۔

اس آیت "ذا لك الكتاب لاريب فيه هدًى للمتقين" کی فصاحت وبلاغت دیکھیے:

تجوید قواعد کی رو سے اگر "فیہ" کو "ذالك الكتاب لاريب فيه" کے ساتھ پڑھاجائے تو بھی ایک مکمل اور با معنٰی جملہ بنتا ہے اور "فیہ" کو "فيه هدًى للمتقين" کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بھی ایک مکمل اور با معنٰی جملہ بنتا ہے۔ یہ اس آیت کا اعجازِ عظیم ہے اور یہ آیت اس حکمت کی متقاضی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت قرآنِ مجید کے اس اسلوب کی پیروی کی جاتی تاکہ ترجمہ خواں پر اس عظیم مرتبہ کتاب کے رموز آشکار ہوتے بقول پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کہ "اب تک صرف اردو میں سو سے زائد تراجم ہو چکے ہیں" (کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن، ص۴۶) دنیا کے دیگر تراجم اس سے ماسوا ہیں۔ قرآن کے کسی بھی زبان کے ترجمے کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ تمام مترجمین اس آیتِ مذکورہ کے جمالیاتی و ادبی پہلو کی فصاحت و بلاغت اور عربی گرامر کے قواعد کی حکمت کو سمجھنے سے عاری دکھائی دیتے ہیں۔ بطور مثال چند معروف تراجم ملاحظہ ہوں:

☆ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کلام خدا ہے خدا سے) ڈرنے والوں کی رہنما ہے (فتح محمد)

☆ اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو (معارف القرآن)

☆ یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لئے (مولانا مودودی)

☆ یہ کتاب ہے اس میں شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو (سید امیر علی)

☆ اس کتاب کے خدا کی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی (محمد میمن جونا گڑھی)

☆ یہ کتابِ الٰہی ہے اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے (امین احسن اصلاحی)

کیا آپ کو قرآنِ عظیم کے ان سطحی تراجم میں جو لغت کی ترجمانی کر رہے ہیں مذکورہ آیت کی جمالیاتی و ادبی اسلوب کی جھلک دکھائی دیتی ہے؟ کیا ان تراجم کو نقشِ اوّل سے بہتر ثانی قرار دیا جاسکتا ہے؟ ہر گز نہیں! تمام تراجم کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ اس آیت کا کوئی ایسا ترجمہ ہو جو قرآن کے اس بے نظیر و بے مثال اسلوب کی عکاسی کرتا ہو۔ یقیناً یہ کارِ عظیم محض عربی لغت کی مہارت پر سرانجام نہیں دیا جاسکتا۔ حکمتِ قرآن صرف علومِ آلیہ کی ترجمانی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ سعادت اسی کو زیبا ہے جو فنا فی القرآن کی منزل پر فائز ہو، جس کی ہر فکر اور عمل پر قرآن چھایا ہو۔ قرآن کی حکمت انہیں پر عیاں ہوتی ہے جن کے قلوب عظمتِ مصطفٰی اور عشقِ مصطفٰی ﷺ سے منور ہوں۔

مفکرِ اسلام، امامِ عاشقاں کی مصطفےٰ کریم ﷺ سے والہانہ وابستگی کا اظہار پروفیسر عبدالرحمٰن بخاری یوں فرماتے ہیں:

"احمد رضا کا خمیر عشقِ مصطفٰی ﷺ میں گندھا ہے۔۔۔ اس کا پیکر اسی سانچے میں ڈھلا ہے۔۔۔ اس کے وجود کا محور یہی ہے۔۔۔ اس کے فکر کی منزل اور علم کا حاصل یہی ہے۔۔۔ اس کا دین و ایمان یہی ہے۔۔۔ احمد رضا کے خون میں عشقِ نبی ﷺ کی حدت ہے۔۔۔ اس کی نبضوں میں ارتعاش اسی سے ہے۔۔۔۔ اور جذبوں کا ارتکاز اسی پہ۔۔۔ اس کی پیاس یہی۔۔۔ سیرابی یہی ہے۔۔۔۔ درد یہی۔۔۔۔ شفا بھی یہی ہے۔۔۔ اس کے رتجگے اسی عشق کے باعث۔۔۔ اور ریاضتیں اسی کی خاطر ہیں۔۔۔۔ اس کے آنسو اسی درد کی رم جھم۔۔۔ اور تبسم اسی پیار کی خوشبو۔۔۔۔ اس کے من کا گداز یہی ہے۔۔۔ اور اس کے قلم کی کاٹ اسی سے۔۔۔ اس کے چہرے کی شادابی یہی ہے۔۔۔ اور سانسوں کی مہکار اسی سے۔۔۔۔ احمد رضا کا دل دھڑکے تو یہی نام ابھرتا ہے۔۔۔ پلکیں اٹھیں تو یہی جلوہ ڈھونڈتی ہیں۔۔۔ اور لب ہلیں تو یہی پکار گونجتی ہے۔۔۔

دہن میں زباں تمہارے لئے
بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے
اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

(جشنِ میلاد النبی، ص۴۶)

یہی وہ گوہرِ نایاب ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآنِ مجید کے وہ مفاہیم القا فرمائے جس سے اس آیت کا ترجمہ تمام تراجم کا امام ٹھہرا اور آپ امام المترجمین کے منصب پر فائز ہوئے۔ قرآنی اسلوب کے تناظر میں الشیخ احمد رضا محدث حنفی کا عدیم المثال ترجمہ ایک بار پھر ملاحظہ ہو:

"ذالك الكتاب لاريب فيه هدًى للمتقين"

" وہ بلند رتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔"

(الف) "ذالك الكتاب لاريب فيه"

"وہ بلند رتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں۔"

(ب) "فيه هدًى للمتقين"

"اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔"

اس آیت کا تیسری جہت سے اس طرح مطالعہ کیا جائے تب بھی یہ ایک وسیع المعنی ترجمہ بنتا ہے

(ج) "ذالك الكتاب لاريب"

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"

امام المترجمین کا یہ ترجمہ قدیم اور جدید تراجم میں واحد وانیق ترجمہ ہے جو اس آیت کے اسلوب کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے "فیہ" کی حکمت اس میں بالکل عیاں ہے۔ اس آیت کی طرح اگر اعلیٰ حضرت کے ترجمے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو یہ ترجمہ بھی قرآنی اسلوب کے مطابق ہر حصہ کا ایک مکمل اور با معنیٰ جملہ بنتا ہے اگر "اس میں" آیت کے ترجمے کے پہلے حصے کے آخر میں رقم کیا جائے تو بھی ایک مکمل اور با معنیٰ جملہ بنتا ہے اگر دوسرے حصے کے شروع میں "اس میں" رقم کیا جائے تب بھی ایک مکمل اور با معنیٰ جملہ بنتا ہے۔

(الف) وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں۔

(ب) اس میں ہدایت ہے ڈرنے والوں کو۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دے ہیں

"ذالك الكتاب" کی تحقیقات سے یہ بھی حقیقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ صرف اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت امامِ اہلسنت نے مندرجہ ذیل ۱۳ علوم برتے ہیں:

(۱) علمِ لغت　(۲) علم النحو　(۳) علم الصرف
(۴) علم البلاغت　(۵) علم التجوید　(۶) علم اسبابِ نزول
(۷) علمِ قصص الانبیاء　(۸) علم التاریخ　(۹) علم مذاہبِ عالم
(۱۰) علم التفسیر　(۱۱) علم الحدیث　(۱۲) نفسیات
(۱۳) علم نظم و مناسبت۔

اعلیٰ حضرت کی ان علوم و فنون پر مہارت اپنی جگہ مسلم! لیکن ترجمے کا اسلوب خود بتا رہا ہے کہ یہ عظیم الشان ترجمہ لکھا نہیں بلکہ لکھوایا گیا ہے، اگر اسے عطائے رسول ﷺ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کیوں کہ انھوں نے خود اپنے مجموعہ فتاوٰی کو جو قرآن و حدیث کے علوم کے علاوہ دیگر بیسیوں علوم پر ان کی دستگاہ کا شاہکار ہے "العطایا النبویہ" سے معنون فرمایا ہے۔ یعنی سیدِ عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس کی عطا۔ فتاوٰی رضویہ کا اصل نام ملاحظہ ہو "العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ" با الفاظِ دیگر امامِ عاشقاں رحمۃ اللہ علیہ قاری کو دعوت دے رہے ہیں کہ اگر عشقِ رسول ﷺ کے جلوے دیکھنے ہوں تو میرے فتاوٰی کا مطالعہ کرو کیوں کہ میرے فتاوٰی میں عطائے رسولِ ﷺ کی بہار دکھائی دے گی۔ علامہ اقبال نے سچ کہا۔

ہر کہ عشق مصطفی سامان اوست
بحر و بر در گوشہ دامان اوست

اس تحقیق سے اس سوال کا جواب بھی آسانی سے مل جاتا ہے کہ دیگر تراجم کی موجودگی میں "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

خدمت قرآنِ پاک کی، وہ لاجواب کی
راضی رضا سے صاحبِ قرآں ہے آج بھی

مدارسِ اسلامیہ کے دردناک نظارے

صدرالافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی

خلیفہ امام احمد رضا حضرت صدرالافاضل کا پیش نظر مضمون ان کے تعلیمی نظریات کا آئینہ ہے جس میں افکارِ رضا کی واضح جھلک ہے۔ قریب ایک صدی قبل یہ مضمون لکھا گیا تھا مگر آج بھی مسلمان اور مدارسِ اسلامیہ انھی مسائل سے دوچار ہیں۔ ضرورت ہے کہ خلفائے اعلیٰ حضرت کے افکار کو نمایاں کیا جائے اور محققین انھیں اپنا موضوع بنائیں۔ عبید

ہر قوم کی ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہے جب انسان کے دماغ میں عمدہ خیالات، بلند حوصلے، نفیس معلومات ہوں گے تو وہ اپنی عقل و تدبیر سے کوئی اچھا کام لے سکے گا۔ نو عمر مسلمانوں کی معلومات بالعموم ناولوں اور عشقی قصے کہانیوں میں منحصر ہیں اور اس کا جیسا تباہ کن اثر ہونا چاہیے ہو رہا ہے۔ مدارس اور درسگاہیں بہت کم ہیں اور چونکہ ہمارا علمی مذاق خراب ہو چکا ہے اس لیے عام دماغوں میں مدارس کوئی ضروری اور کار آمد چیز بھی نہیں خیال کیے جاتے اور اسی وجہ سے مدرسوں کی نہایت قلیل تعداد مسلمانوں کو بہت کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ قاعدے کی بات ہے جس چیز سے انسان کو رغبت نہ ہو وہ کم بھی ہو تو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی اور اسلامی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ عمدہ خصائل اور ملکاتِ فاضلہ سے مسلمان محروم ہوتے جاتے ہیں۔ درندہ خصالی اور جنگجوئی، سنجیدگی اور شائستگی کی جگہ لیتی جاتی ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کے عہد کو سامنے لائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ہمارے اسلاف شب و روز تعلیم کی ترقی میں مصروف تھے اور ان کی نگاہوں میں تعلیم ہر چیز سے زیادہ ضروری اور قابل قدر تھی بے شمار درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں، علما کو بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں، طلبہ کے وظیفے مقرر تھے۔ مسلمانوں کی علمی قدر دانی طلبہ میں شوق تحصیل پیدا کرتی تھی۔ ان کی راتیں مطالعے میں سحر ہو جایا کرتی تھیں اور وہ اپنے اعزہ و اقارب اور وطن تک کو مدت تحصیل تک فراموش کر دیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی نگاہوں میں ان کی عزت تھی۔ جہاں ان سے تہذیب سیکھنے کے لیے سرِ نیاز جھکاتا تھا۔ وہ جس کام کے لیے قدم بڑھاتے تھے کامیابی ان کا خیر مقدم کرتی تھی۔ آج بھی جو قوم با اقبال ہے اور زمانہ جسکا موافق و یار ہے وہ ترقی علم میں محو ہے اور اس نے ممالکِ بعیدہ میں درسگاہیں جاری کی ہیں۔ اور روز بروز ان کی ترقی اور اضافے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

جو سعی کسی مقصد کے لیے کی جاتی ہے اس سے وہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ جو بو کر گیہوں کاٹنے کی توقع فضول ہے۔ عمارت بے شک سفید اور کار آمد چیز ہے۔ بازار کی عمارت جس مقصد کے لیے بنائی جاتی ہے وہ تو اس سے حاصل ہو سکتا ہے، لیکن وہ عمارت قلعہ کا کام نہیں دے سکتی۔ اسی طرح حفظان صحت کے لیے جو تعلیم دی جائے وہ انجینئری میں کام نہیں آسکتی۔ اگر آپ کو انجینئروں کی ضرورت ہے تو آپ کو اس مدعا کے لیے ایک جداگانہ دارالتعلیم درکار ہے۔ میڈیکل کالج اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ انجینئری کی درسگاہ وکیل اور بیرسٹر نہیں پیدا کر سکتی کیونکہ وہ اس مقصد کے لیے جاری نہیں کی گئی۔ علیٰ ہذا انگریزی درس گاہیں خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا اولیٰ، کالج و یونیورسٹیاں ہوں یا تحصیلی اور پرائمری مدارس و مکاتب، مشرقی زبان کی درسگاہیں ہوں خواہ مغربی کی، وہ جس مقصد کے لیے جاری کی گئی ہیں اس کے سوا دوسرا مقصد ان سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ مسلمانوں کو مسلمان بنانے، اسلامی زندگی کی حفاظت کرنے، اسلامی عادت و خصائل کا رواج دینے، دین داری کے خوگر اور عادی بنانے کے کام میں نہیں آسکتیں۔ ان کے پڑھے ہوئے طلبہ اسلامی عقائد، اسلامی محبت و مودّت، اسلامی اخوت و اتحاد، اسلامی طرز معاملت و معاشرت کا نمونہ نہیں ہو سکتے۔ غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمانوں کے لیے کوئی کار آمد چیز نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان درسگاہوں کے طلبہ بالعموم اسلامی اخلاق و اوضاع، اسلامی عادات و خصائل سے بالکل بے تعلق نظر آتے ہیں۔ صورت، عمل، عقیدہ کوئی چیز اسلامی نہیں رکھتے گویا اسلام ان کے لیے ایک اجنبی چیز ہوتا ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ اسکے شواہد بہت کثیر ہیں سر دست تفصیل ضروری نہیں معلوم ہوتی۔ تعلیم جادو

کی طرح اثر کرتی ہے۔ جن میں ابتدائے عمر سے یورپی تعلیم کا نشہ پیدا کیا گیا ہو اور مغربیت ان کی عادتِ ثانیہ ہوگئی ہو، اگر وہ اپنے مذہبی امتیازات کو مٹاڈالیں تو کیا تعجب ہے۔ مسلمانوں کی تباہی کا یہ بہت بڑا سبب ہے کہ وہ مذہبی علوم سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے اپنی خصوصیات کو محفوظ نہیں رکھ سکے اور اپنی قومی و ملّی زندگی کو انھوں نے خود تباہ کرلیا۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنی قومی خصائص کو محفوظ رکھتی ہیں اور اسی میں ان کی زندگی ہے۔

اُردو ہندوستان کی عام زبان ہے۔ ہندو اور مسلمان اس میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہیں۔ لیکن آج ہندو اپنی ترقی کے دور میں اس کو مٹاڈالنے کے لیے کیسی جانکاہ کوششیں کررہے ہیں اور ایک مردہ زبان کو جو ان کی قومی یا مذہبی زبان ہے رواج دینے اور زندہ کرنے کے لیے کیسی جدوجہد عمل میں لارہے ہیں وجہ یہ ہے کہ قومی خصوصیات کا تحفظ ترقی کے لیے شرط اول ہے۔ ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ انگریزی داں اور گریجویٹ ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی شعار و امتیازات کو نہیں کھو بیٹھے۔ فیصدی ایک کی نسبت سے بھی ہندو انگریزی دانوں میں ایسے لوگ نہ ملیں گے جنھوں نے اپنی قومی وضع ترک کردی ہو، چوٹی کو وحشت خیال کیا ہو، ایک ڈورا جس کو جنیو کہتے ہیں باندھنا چھوڑ دیا ہو۔ یہی سبب ہے کہ ان کا رشتہ محبت گسستہ اور شیرازۂ قومیت منتشر نہیں۔ مغربی تعلیم سکھوں کے سر سے بالوں کا بوجھ نہ اتار سکی۔ ان کی ڈاڑھی تک ولایتی استرے نہ پہنچ سکے۔ انگریزیت انکی وضع کو تبدیل کرنے سے عاجز رہی لیکن مسلمان اپنی مذہبی شعائر سے دست بردار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی تعلیم انھیں غیر ضروری معلوم ہونے لگی، اسلامی صورت سے نفرت ہوگئی، اسلامی وضع عار معلوم ہوئی، فرائض کی ادامیں شرم آنے لگی۔ اسلامی اعمال وافعال سے وہ ناآشنا ہوگئے، اسلامی خصائل و خصائص سے ان کی لوحِ زندگی سادہ ہوگئی، کفار کی وضع انکا طرز معاشرت پسند آیا، یورپ کے رنگ میں رنگ گئے اور بایں حیثیت مسلمانوں سے مغائرتِ تامہ ہوگئی۔ اب جو مسلمان اسلامی وضع میں نظر آتا ہے اس کی صورت سے انکے قلب میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ علماو صلحا کے نام سے دل بیزار ہے، پابند مذہب مسلمانوں کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ نمازیوں پر آوازیں کسی جاتے ہیں، ان کو ''مُلّا'' کہتے ہیں گویا کہ ان کی اصطلاح میں ''مُلّا'' حیوان لایعقل کا نام ہے۔ ہر ایک مذہبی ادا سے ان کو تنفر ہے اور ہر اسلامی وضع رکھنے والا ان کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے۔ اس کے ساتھ حُسنِ اخلاق سے پیش آنا بے تکلف بات کرلینا سلام کرنا تو کیا معنی کشادہ پیشانی سے سلام کا جواب دینا یہ سب باتیں آپ کی توہین ہیں۔ یہ حالت اسلامی اتحاد و اخوت کو کس قدر صدمہ پہنچانیوالی ہے جس پر کسی قوم کی فلاح و بہبود عزت و حرمت کا دارومدار ہے۔ ستم ہے ہزار حدیثیں سنادی جائیں اثر نہیں ایک انگریز کا قول پیش کردیجیے سر عقیدت خم ہوگیا، گردنِ ارادت جھک گئی۔ کیا یہ دل مسلمان ہے یا غیر کی تعلیم نے اس کو اپنا کرلیا؟ اگر مذہبی علوم سے کچھ بھی بہرہ ہوتا یا علما و صلحا کی صحبت رہی ہوتی مذہب کا وقار دل میں ہوتا تو یہ حالت کیوں ہوتی؟ دوسروں سے زیادہ اپنے مذہب و ملت کے تحفظ میں جانیں نثار کرتے مذہب کے ساتھ سچی عقیدت و گرویدگی ہوتی تو خدام مذہب اور حامیانِ دین کی عزت و توقیر بھی دل میں ہوتی۔

میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور آپ معائنہ کرسکتے ہیں کہ ہندو اپنے پنڈتوں اور پجاریوں کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ ایک والی ملک کا جلوس نکلتا ہے جب وہ ایک پاٹ شالہ کا افتتاح کرنے جاتا ہے مگر اس شان سے کہ راجہ فٹن یا لینڈ میں سوار ہے اس کے آگے ہاتھی پر طلائی عماری میں پنڈت وید لیے سوار ہے۔ رئیس کی نشست اپنی سواری میں مودبانہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے عیسائی اپنے پادریوں کے ساتھ کس تکریم و احترام کا برتاؤ کرتے ہیں بخلاف اسکے ہمارے نونہالوں اور سپوتوں کی زبانیں علما و اہل مذہب کی توہین اور بدگوئی سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ اگر کبھی قلم ہاتھ میں آگیا ہے تو علما کی خوبیوں کو عیب بناڈالا ہے اور ان کی ہستی کو میٹ دینے کے لیے اپنے امکان تک سعی کی ہے۔ آپ کے زبان و قلم سے آپ کے اکابر کی ایسی توہینیں ہوتی ہیں کہ مخالف غیر مذہب والا بھی باوصف جوش تعصب اُس کی ہمسری نہ کرسکے۔ ایسی حالت میں اسلامی اجتماع کیونکر باقی رہ سکتا ہے اور اخوت و محبت کی بنیادیں جنہیں آپ نے اپنی پوری طاقت سے برکندہ کرنیکی کوشش کی ہے کیونکر قائم رہ سکتی ہیں۔ آپ جس عمارت پر ہیں اس کی بنیادیں خود کھود رہے ہیں۔ ''آیئے برہر شاخ بُن می برید'' والا معاملہ ہے۔

اس کا باعث یہی ہے کہ انگریزی کے بادۂ رنگیں نے آپکو سرشار کر دیا ہے اور آپ کا رُواں رُواں اس کے کیف میں مست ہے ہر بن مول سے اسی کے بخارات پسینہ بن کر ٹپکتے ہیں اور اپنے خواص دکھاتے ہیں۔ علوم اسلامیہ کے آب حیات سے آپ کے لب نا آشنا ہیں، اس کی لذتیں ابھی تک جناب کو غیر معلوم ہیں۔ اگر یہ اجنبیت دور ہو جائے اور دینی معلومات کی روشنی آپ کی دماغوں میں جلوہ گر ہو تو نئے دور کے علوم آپ کو جہالت کی تاریکی معلوم ہونے لگیں۔ جب تک اپنے خزائن کے جواہر نفیسہ پر آپ مطلع نہیں ہیں اس وقت تک دوسروں کے نقلی اور جعلی پتھروں کی جھوٹی چمک دمک پر مفتون ہیں۔ جس وقت اپنے لآلیِ آبدار سامنے آئیں گے وہ پتھر یقیناً آپ کی نظر میں بے وقعت ہو جائیں گے۔

علوم دینیہ سے تعلق ہو گا تو آپ ان مقاصد کی طرف چل پڑیں گے جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں جب ان پھولوں کی خوشبو آپ میں بس جائے گی تو آپ کے پسینے کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرمائے گا آپ کے افعال و اعمال میں، آپ کے اطوار و عادات میں، آپ کی خوبو میں، آپ کے طرزِ عمل اور طریقۂ زندگی میں اسلام کے جلوے نمودار ہوں گے اسلامی معلومات سے دماغ روشن ہو اور انگریزی کی بجائے وہ آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے تو آپ کے افعال ضرور اس پیمانہ اور اس میزان پر واقع ہونگے جو شریعت اسلامیہ نے مقرر فرمائی ہے۔ پھر اپنے نفس سے لے کر دور دراز کے تعلقات تک درست ہو جائیں گے اور آپ اعلیٰ زندگی بآسانی بسر کر سکیں گے۔ جب آپ کو ماں باپ، بھائی بہن، بی بی بچے، چھوٹے بڑے سب کے حقوق دمدارج معلوم ہونگے جو شریعت نے مقرر فرمائے ہیں اور آپ انہیں اپنا دستور العمل بنائیں گے اسی کے مطابق اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک کرینگے تو خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور تدبیر منزل و انتظام خانہ داری خود بخود اعلیٰ حیثیت پر آجائے گا۔ گھر کی چپقلش گھر والوں کے رنج و تعب باہمی کشاکش سب دور ہو جائے گی آپ شریعت مطاہرہ کے ہاتھ میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام دیجیے، کسب معاش اور مصارف پر اس کے منشا کے مطابق عمل کیجیے پھر دیکھیے آپ کے مشکلات کافور ہوئے جاتے ہیں اور آپ کی باہمی محبت وارتباط میں ایسا ربط حاصل ہوتا ہے جس سے زندگی کا لطف آجائے۔

عزیز و اقارب، دوست، آشنا، ہمسایہ، محلہ دار، اہلِ شہر بلکہ تمام مسلمانوں کے حقوق جب آپ کو معلوم ہوں اور ہر ایک کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور اسلامی تعلیم آپ کی عادت ہو جائے تو آپ کا تمدن درست ہو گیا۔ یگانگت اور اتحاد، دوستی و یکدلی کے نقشے جابجا نظر آنے لگیں گے دشمنی اور عداوت نیست و نابود ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے جو ناگوار صدمے برداشت کرنا پڑتے ہیں ان سے امن رہے گی، بدخواہوں اور بدگویوں کی ایذا سے نجات ہو گی، لڑائی جھگڑوں میں عزت مال وقت صرف ہونے سے بچے گا، اخوت و مودت ہمدردی و غمخواری کی موجیں عجیب لطف پیدا کریں گی اور ہر مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے پیش آنیوالی رُکاوٹیں مرتفع ہو جائیں گی۔ آپس کی یکدلی و یکجہتی سے بہت سی آسانیاں بہم پہنچیں گی، مسلمان جب اپنی ایسی حالت بنالیں تو اُن کا اجتماع اتم اور اتحاد مکمل ہو جائے۔ دنیا کی قومیں اس کی عزت کرنے لگیں۔ جب ہر مسلمان ایک دوسرے کا مددگار اور خیر خواہ ہو اور ہر ایک کی زبان سے دوسرے کی نسبت کلمۂ خیر ہی نکلے ایک دوسرے کی مرفہ الحالی، ترقی، عزت، جاہ، منزلت، دولت، مال، شہرت، شوکت، زہد، ورع، تقویٰ، عبادت و طاعت سے خوش ہو غیبت اور حضور میں محبت بھرے کلمات سے ذکر کرے کسی کی زبان سے مسلمان کی برائی سن نہ سکے تو غیروں کی نگاہوں میں مسلمانوں کی ہیبت و وقار کا وہی عالم ہو گا جو زمانۂ سلف میں تھا۔

مسلمانوں کے یہی ہتھیار ہیں، حق سلاح ہے، یہی جہاد ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان بنائیں اور اپنے نفس کافر کیش کو مغلوب کریں اور اس کو اسلام کا مطیع اور فرمانبر دار بنائیں اگر آج اسی پر قدرت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان بنالیجیے تو آپ دوسرں کو کیا مسلمان بنا سکیں گے؟ اگر آج اپنے نفس کا ذکر مغلوب نہیں کر سکتے تو دوسرے کفار پر غلبہ حاصل کرنا کہاں تک قرینِ قیاس ہے؟ تم مسلمان بنو، جہاں تمھارے سامنے سرافگندہ ہو گا، دنیا میں تمہاری شوکت کے پھریرے لہرائیں گے، تمھارے عزت و اقبال کی صداؤں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھے گا، تمھاری کھوئی ہوئی دولت پھر واپس مل جائیگی، تمھارا گیا وقت پھر لوٹ آئیگا، تمھاری مردہ سطوت پھر جی اٹھے گی۔ مسلمان بنو، پکے مسلمان علوم دینیہ سے علاقہ پیدا کرو، علما سے صلح کی بنیاد ڈالو، عیسائیوں کی گود میں پرورش پا کر پکے مسلمان بننے کی

توقع بعید از عقل ہے۔ علومِ اسلامیہ کا دامن تھامو، مذہبی معلومات حاصل کرو، دینی درسگاہیں کھولو، بچے جوان بوڑھے سب مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کریں، علم عام کیا جائے اسلامی مدارس کو ترقیاں دی جائیں۔

ہندوستان کی وسعت میں مدارس اسلامیہ ایک نادر چیز ہیں جنھیں ہم اپنی غلط رائے اور غیر صحیح مذاق کی وجہ سے بہت کثیر سمجھ رہے ہیں۔ اتنے بڑے ملک میں چند مدرسے ہیں جو انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں۔ جب ان مدارس کی حالت پر نظر جاتی ہے تو دل سوزِ جگر سے خون بن کر آنکھوں کی راہ بہہ جانے کی خواہش کرتا ہے۔ اسلامی مدارس کے شاکی بہت ملیں گے اور ملتے ہیں لیکن ایسے حضرات بہت کم ہوں گے جنھوں نے اپنے دماغ کو ان اسباب کی جستجو میں پریشان کیا ہو جن سے شکایتوں کے مادّے تیار ہوتے ہیں۔ دینی درسگاہوں میں علی العموم مدرسین کی کوئی قدر نہیں ہوتی اور انہیں بسر اوقات کے قابل کفاف بھی میسر نہیں آتا قلیل تنخواہوں پر صبر کیے بیٹھے رہتے ہیں۔ دولت مند طبقہ انہیں مونھ نہیں لگاتا۔ نئے تعلیم یافتہ ان کی صورت کو حیرت ناک تماشہ سمجھتے ہیں۔ ان کی وضع، رفتار، گفتار، خصائل، عادات سب انکی نظر میں قابل مضحکہ ہیں۔ ان کی زندگی کے ایک ایک شعبہ پر نکتہ چینی اور حقارت آمیز عیب گیری کی جاتی ہے۔ قوم کے برتاوے نہایت ناشائستہ، معاش اس قدر تنگ کہ گزارہ مشکل ہوسکتا ہے۔ اس خدمت پر نہ ان کی حوصلہ افزائی کرنیوالا نظر آتا ہے نہ اپنی ضروریات ہی کی طرف سے اطمینان ہے باوجود اس کے مردانہ وار اسی استقلال کے ساتھ اپنی خدمت کو انجام دیے جانا اور افکار مصائب کے عساکر و افواج سے سینہ سپر ہونا، اپنوں بیگانوں کی سختیاں جھیلنا، ہر طرح کی باتیں سننا اور صبر و سکون کے ساتھ اپنا کام کیے جانا اور کسی کی پرواہ نہ کرنا اسلام کی حقانیت کا ایک اثر ہے اور علومِ اسلامیہ کی روحانیت کی زندہ دلیل ہے۔

سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حامیانِ تعلیم کے دماغوں کو فکرِ نان و نمک کی قیدوں سے آزاد کیا جائے اور اہل و عیال کی بدحالی کے غموں سے رہائی دی جائے تاکہ وہ فارغ زندگی بسر کرسکیں اور دماغی قویٰ سے آزاد ہو کر کارِ تعلیم کے لیے وقف ہوجائیں اس وقت تعلیم کا لطف آسکتا ہے اور سربراہ کاران تعلیم اپنے فضل و کمال کے جو ہر دکھا سکتے ہیں۔ دوسری ضرورت یہ ہے کہ طلبہ متوسط درجے کی انسانی زندگی سے گرے ہوئے نہ ہوں۔ بھوکا اُستاد کیا دماغ سے کام لے سکتا ہے گرسنہ شاگرد کیا اخذ مطالب کرسکتا ہے۔ یہاں اُستاد بھی پریشان حال ہیں اور شاگرد پھر کیا ان شاگردوں میں اولو العزمی پیدا ہو جن کی معاش در در سے ایک ایک لقمہ جمع کرکے بہم پہنچتی ہے اور وہ بھی کسی وقت پہنچتی ہے اور کوئی وقت صاف گزر جاتا ہے ان طلبہ کو یہ بھی امید نہیں ہے کہ کسی اگلے زمانے میں ان کو یہ محنتیں کام دیں گی اور ان کے عیش و راحت کا ذریعہ ہوسکیں گی۔ ان کے استاد ان کے سامنے نمونہ ہیں وہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر ہم نے جان ہلاک کرکے محنتیں جھیل کر استاد جیسا کمال پیدا کرلیا اور نصیب یاور ہوا اور بالفرض کہیں مدرّسی مل بھی گئی تو ہمیں کار آزما اور مشاق ہوجانے کے بعد پھر ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا جن کے شکنجے میں حضرت استاد مدظلہ پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے حوصلہ فرسا اور ہمت شکن حالات ہیں ان کے باوجود عزم و استقلال کو پایۂ ثبات سے محروم رہنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ مگر علوم اسلامیہ کی گرفت وجذب اور دل آویزی و خاطر گزینی کا ثمرہ ہے۔ باصف ایسی تکالیف اور مصیبت کے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں نہایت استقلال اور مردانگی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں سرگرم ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اساتذہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اتنا کفاف مقرر کریں جو ان کے دماغوں کو معاش اور ضروریاتِ زندگی کی افکار سے آشنا نہ ہونے دے۔ طلبہ کے لیے ایسے وظائف مقرر ہوں کہ وہ معمولی درجے کے انسان کی زندگی بسر کرسکیں۔ لیکن اسلامی مدارس یہ دونوں فرض انجام نہیں دیتے۔ حدیث و تفسیر ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھائی جاتی ہے مدرسہ کوئی انتظام نہیں کرسکتا۔ ایک نکتہ چیں یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ مدرس کس بُری حالت میں ہیں، طلبہ اس عسرت و تکلیف میں ہیں نشست کی جگہ نامعقول ہے۔ سارا نظم ہی خراب ہے اور انتظام ہی مختل ہے۔ مگر حقیقت میں جان سکتا ہے کہ قوم نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ مسلمانوں کی توجہ کا رخ پھر گیا:

ادھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

دنیا ان مدارس کو غیر ضروری اور بیکار چیز شمار کرتی ہے۔ زمانہ

(بقیہ صفحہ نمبر 20 پر ملاحظہ فرمائے)

جماعت رضائے مصطفیٰ: اغراض ومقاصد اور شعبہ جات کا تعارف

مولانا شہاب الدین رضوی

جماعت مبارکہ جماعت رضائے مصطفیٰ ۱۳۳۹ھ\۱۹۲۰ میں امام احمد رضا نے قائم فرمائی۔ اس جماعت کے پلیٹ فارم سے امام احمد رضا کے خلفاو تلامذہ نے شدھی تحریک کے خلاف تاریخی خدمات انجام دیں اور لاکھوں افراد جو مسلمانوں کو ہندو بنانے والی شدھی تحریک کا شکار ہوچکے تھے جماعت مبارکہ کی کوششوں سے ایک بار پھر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ جماعت کے سنہری کارناموں کی تفصیل کتاب تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ مصنفہ مولانا شہاب الدین رضوی میں شائع ہوچکی ہے۔ عبید

اغراض ومقاصد

جماعتِ رضائے مصطفیٰ بریلی کے اغراض ومقاصد حسب ذیل تھے:

(۱) حتی الوسع مخالفین کے حملوں کی تقریراً وتحریراً ہر طرح مدافعت کرنا اور ان کے افتراؤں، بہتانوں کی جن سے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو علماءِ اہلِ سنّت سے بد عقیدہ کرتے ہیں پردہ دری کرنا۔

(۲) وہ مضامین وکتب جو سنت وجماعت، اور اعداءِ دین کے حملوں کی مدافعت میں ہوں، بالخصوص حضور پر نور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصانیفِ قدسیہ شائع کرنا۔

(۳) تمام اہلِ سنّت خصوصاً حلقہ بگوشان سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں باہم اتفاق واتحاد اور محبت ووداد قائم کرنا۔[1]

شرائط داخلہ

(۱) جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کا رکن وہی ہوگا جو مستقیم متصلب سنی صحیح العقیدہ ہو۔

(۲) جو رکن ہوگا اسے صلاح وسعادت تہذیب ومتانت کی صورت بنا ہوگا۔

(۳) جو چندہ ماہانہ اپنی عالی ہمت سے مقرر فرمائے گا وہ ماہ بماہ ادا کرنا ہوگا۔[2]

مجلس شورہ

جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے اغراض ومقاصد اور شرائط داخلہ جان لینے کے بعد اب ارکان مجلس شوری کے اسماءِ گرامی پیش کیے جارہے ہیں۔ جماعت کے منصوبے کو تیار کرنے، اور خطوط متعین کرنے میں مجلس شوریٰ کا اہم رول ہوتا ہے۔ مجلس شوریٰ میں وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو صائب الرائے سمجھا جاتا ہو۔ جو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد سے کھیلنا نہ چاہتے ہوں، بلکہ ان کی فلاح وبہبود پر ہر وقت نظر رکھتے ہوں۔ جماعت کے اصولوں کے خلاف ان کا کوئی قدم نہ اٹھے۔

(۱) مولانا ہدایت یار خاں نوری رضوی
(۲) جناب محمد شفیع الدین خاں رضوی
(۳) سیّد ضمیر الحسن رضوی الجیلانی
(۴) مولانا سیّد ایوب علی رضوی
(۵) مولانا محمد جمیل الرحمٰن قادری رضوی
(۶) مولانا نواب وحید احمد خاں رضوی ایڈوکیٹ
(۷) نواب حمید یار خاں رضوی
(۸) نواب سعید احمد خاں رضوی
(۹) جناب فدا یار خاں رضوی
(۱۰) جناب بابو فیاض حسین رضوی[3]
(۱۱) جناب سیّد قناعت علی رضوی[4]

مذکورہ شخصیات میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حضرت کے خاص معتقدوں میں سے تھے۔ شہر بریلی میں چار نہایت دولت مند اور معزز شہر جن کو نواب کہا جاتا تھا، اور وہ اپنے اثرات شہر پر اچھے خاصے رکھتے تھے امام احمد رضا کے خاص مریدوں میں تھے۔ اعلیٰ حضرت سے تعلق خاطر ہونے کی وجہ سے اور ان کے شہر پر اچھے اثرات ہونے کی وجہ سے جماعت رضائے مصطفیٰ کے لیے ان کی نمائندگی حاصل کی گئی[5]۔ شہر کے معزز خاندان اور شخصیات جب جماعت میں شامل ہوئے تو ان کے زیرِ اثر ممبر شپ قبول کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

اسماءِ گرامی عہدیداران

(۱) مولانا منشی نواب ہدایت یار خاں نوری رضوی (صدر و خازن)
(۲) محمد شفیع الدین رضوی (نائب صدر)
(۳) سیّد ضمیر الحسن رضوی الجیلانی (ناظمِ جماعت)
(۴) مولانا سیّد ایوب علی رضوی بریلوی (نائب ناظمِ جماعت)
(۵) مولانا محمد جمیل الرحمٰن خاں قادری رضوی (واعظ و مبلغ جماعت)
(۶) مولانا حشمت علی خاں لکھنوی رضوی (مناظر جماعت)
(۷) جناب سیّد قناعت علی رضوی (امین دفتر جماعت)
(۸) حمید یار خاں رضوی (افسر عالمین جماعت)
(۹) نواب منشی فدا یار خاں رضوی (نائب افسر عالمین جماعت)
(۱۰) مولانا نواب وحید احمد خاں رضوی ایڈوکیٹ (ناظر جماعت)
(۱۱) منشی شوکت علی رضوی (نائب ناظر جماعت)
(۱۲) منشی منظور حسین رضوی (محصل جماعت)
(۱۳) جناب محمد بخش (چپراسی دفتر جماعت) [۲]

اسماءِ گرامی عہدایداران جماعت عالمین

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے "شعبہ عالمین" کا اضافہ دوسرے سال یعنی ۱۳۴۰ھ میں ہوا۔ چونکہ سال اوّل ۱۳۳۹ھ کی روداد میں اس شعبے کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

(۱) منشی حمید یار خاں قادری رضوی (افسر اعلیٰ)
(۲) نواب فدا یار خاں قادری رضوی (نائب افسر اعلیٰ)
(۳) جناب حشمت اللہ قادری رضوی (امیر کپتان)
(۴) سید فدا علی رضوی قادری (رئیس کپتان)
(۵) شیخ حمید اللہ قادری رضوی (کپتان)
(۶) پچاس حضرات مریدین اعلیٰ حضرت (عالمین جماعت) [۳]

سرپرست خاص

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کے بانی سرپرستِ اعلیٰ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ تھے، وہ جب تک حیات رہے، اس مرکزی محمدی فوجِ اسلامی کی سرپرستی فرماتے رہے۔ امام احمد رضا بریلوی کے انتقال کے بعد حجۃ الاسلام مولانا مفتی حامد رضا بریلوی نے جماعتِ مبارکہ کی سرپرستی قبول فرمائی۔ وہ جب تک حیات رہے، اس کے بال و پر سنوارنے اور ترقی کی منزلوں تک پہنچانے میں لگے رہے۔ آپ کے بعد تاجدارِ اہلِ سنت مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفےٰ رضا نوری بَریلوی نے سرپرستی و قیادت فرمائی۔ حضور مفتی اعظم کے دور میں جماعت رضائے مصطفےٰ کو سخت سے سخت تر مراحل کا سامنا کرنا پڑا۔

سرپرستِ عمومی

مندرجہ ذیل شخصیات، علماءِ کرام اور مشائخ عظام نے حتی الوسع جماعت کی سرپرستی قبول کرتے ہوئے تعاون کا ہاتھ بڑھائے رکھا:

(۱) حضرت مولانا شاہ سید اسماعیل حسن میاں برکاتی، سجادہ نشین سرکارِ مارہرہ مطہرہ۔
(۲) تاج العلما مولانا سید محمد میاں قادری، سرکار کلاں مارہرہ مطہرہ۔
(۳) مولانا مفتی شاہ عید الاسلام محمد عبد السلام رضوی جبل پوری۔
(۴) صدر الشریعہ مولانا مفتی محمد امجد علی رضوی اعظمی۔
(۵) صدر الافاضل مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔
(۶) ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین رضوی فاضل بہار۔
(۷) صدر العلما مولانا رحم الٰہی منگلوری۔
(۸) حضرت مولانا محمود جان رضوی جام جودھ پوری۔
(۹) مولانا حسنین رضا خاں بریلوی ایڈیٹر ماہنامہ "الرضا" بریلی۔
(۱۰) برہانِ ملّت مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری۔
(۱۱) حضرت مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں، پنجاب۔
(۱۲) حضرت مولانا سید محمد آصف رضوی قادری کانپوری۔
(۱۳) مولانا محمد عرفان علی رضوی بیسلپوری۔
(۱۴) مولانا قاضی ابوالکمال محمد اشہد الدین مراد آبادی۔
(۱۵) صدر الواعظین مولانا سید غلام محی الدین راندیری۔
(۱۶) قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد القادری مہاجر مدنی۔
(۱۷) مولانا مولوی ابوذر سنبھلی۔
(۱۸) مولانا قاضی محمد قاسم سیال کوٹی۔
(۱۹) مولانا غلام رسول بہاولپوری، کراچی۔
(۲۰) مولانا احمد حسین خاں رامپوری، مقیم اجمیر مقدس۔
(۲۱) مولانا سید محمد حسن عرب عرف مولوی پنجابی، مقیم جے پور۔
(۲۲) مولانا غلام چشتی، چندوسی ضلع مراد آباد۔
(۲۳) مولانا احمد حسن خاں نجیب آبادی۔

(۲۴) حاجی مفتی جلال الدین لاہوری۔[۸]

مذکورہ بالا حضرات میں وہ شخصیات بھی ہیں، جو اپنے عہد کے جید عالم، فقیہ النفس مفتی، نکتہ رس مدبر، اثر انگیز مناظر و واعظ اور سیاسی بصیرت کے حامل تھے۔

مخصوص عمائدین جماعت

مندرجہ ذیل حضرات وہ ارکین و عمائدین جماعت رضائے مصطفےٰ ہیں جن کے متعلق یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ وہ جماعت رضائے مصطفےٰ کے اہم ستون تھے۔ ان حضرات نے ایثار اور خلوص کے ساتھ ہر وقت جماعت کا تعاون کیا۔ کبھی کبھی مالی بحران کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا کہ اب جماعت دم توڑنے لگی مگر ان ہی باحوصلہ اور مخیر لوگوں کے تعاونِ مالی سے جماعت دوبارہ زندہ ہو جاتی تھی۔ جماعتِ مبارکہ کے یہ مخصوص عمائدین تھے:

(۱) عبدالستار اسماعیل رضوی کاٹھیاواڑی، مقیم رنگون۔
(۲) شیخ امام علی رضوی بمبئی۔
(۳) حاجی عبدالجبار، جے پور۔
(۴) حاجی ابو یوسف رضوی بمبئی۔
(۵) عثمان عبدالغنی، ساکن رنگون۔
(۶) آدم یعقوب، ساکن رنگون۔
(۷) مولانا پیر فدا حسین شاہ خلف الرشید امیر ملّت پیر جماعت علی شاہ
(۸) مولانا چودھری عبدالحمید خاں، رئیس اعظم سہاور۔
(۹) ہاشم جمعہ، ساکن سردار گڑھ کاٹھیاواڑ۔
(۱۰) ابو بکر طیب جام جوت پوری۔
(۱۱) سلیمان شکرانی جام جوت پوری۔
(۱۲) حاجی موسیٰ سلیمان، جام جوت پوری۔
(۱۳) حاجی عبدالشکور جمال گونڈل کاٹھیاواڑ۔
(۱۴) محمد یوسف اسحاق، گونڈلوی۔
(۱۵) علی محمد بن حاجی محمد اسحاق جام جوت پوری۔
(۱۶) سلیمان عبداللطیف، کاٹھیاواڑ۔
(۱۷) ہاشم جمال، گونڈل۔
(۱۸) آدم احمد، جام جوت پور۔[۹]

مندرجہ ذیل نام دوسرے سال کے اضافے میں آئے:

(۱۹) مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی (محدثِ اعظم ہند)
(۲۰) شیخ معز الدین، رئیس اعظم ابراہیم پور ضلع بھاگلپور۔
(۲۱) شیخ منشی محمد شریف عالم، رئیس ابراہیم پور ضلع بھاگلپور۔
(۲۲) محمد عبدالہادی وارد حال رانچی۔
(۲۳) محمد عبدالعزیز، فتحپور ضلع بھاگلپور۔
(۲۴) شیخ نذیر حسین اگرپور، ضلع بھاگلپور۔
(۲۵) شیخ ابوالحسن اگرپور، ضلع بھاگلپور۔
(۲۶) شیخ احمد حسین بلاری ضلع مراد آباد۔
(۲۷) ابوالفضل جان محمد رضوی، ہوڑہ۔
(۲۸) عبدالحکیم ساکن ہوڑہ۔
(۲۹) عبدالکریم باری پدا (ریاست میور بھنج)۔[۱۰]

ذیل کے نام چوتھے سال یعنی ۱۳۴۱ھ میں زیادہ ہوئے:

(۳۰) سلیمان شکرانی، جام جوت پوری۔
(۳۱) حاجی عیسیٰ خاں محمد قادری رضوی دھوراجی۔
(۳۲) کتھری احمد ابن عیسیٰ کاٹھیاواڑی وارد حال بمبئی۔
(۳۳) حاجی عبدالرحمٰن ماڑواڑی مقیم کلکتہ۔
(۳۴) مولانا عبدالعزیز خاں کلکتہ۔
(۳۵) مولانا احمد رضوی خاں، کلکتہ۔
(۳۶) شیخ امام علی رضوی مالک ہوٹل اسکریم بمبئی۔
(۳۷) حاجی عبدالغفور بمبئی۔
(۳۸) حاجی عبدالجبار رضوی جے پور۔
(۳۹) نظام الدین فیض اللہ سورتی۔
(۴۰) خان بہادر محمد اصغر علی خاں، رئیس شہر کہنہ بریلی۔
(۴۱) سلیمان عبداللطیف رضوی کاٹھیاواڑی، مقیم کولمبو (سیلون)
(۴۲) تصدق حسین قادری رضوی وارد حال کوہ ڈلہوزی۔
(۴۳) مولانا ابو رشید محمد عبدالعزیز، لاہور۔
(۴۴) منشی عبدالہادی آوارا ضلع مان بھوم۔
(۴۵) حاجی یوسف علی خاں نجیب آبادی۔
(۴۶) مولانا احمد حسن خاں رضوی نجیب آبادی۔
(۴۷) نبیہ احمد خاں رضوی ہیڈ سرویر منمانڈ۔[۱۱]

راقم السطور کے پیشِ نظر ماخذ میں جماعت رضائے مصطفےٰ کی روداد

سالِ سوم موجود نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس روداد میں اور بھی اسما ہوں۔ اور عملہ، مجلس شورہ، اراکین، سرپرست اور عمائدین میں کمی بیشی بھی بعید از قیاس نہیں۔ اس لیے حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا شخصیات ہی اس میں شامل ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سالِ چہارم کی روداد ہمارے سامنے ہے، مگر اس کے بعد کی روداد بھی تلاش بسیار کے باوجود فراہم نہ ہوسکیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ بعد کی رودادوں سے یہ پتا چل سکتا تھا کہ کہاں تک عملے میں اضافہ ہوا؟

شعبہ جات

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی میں کئی شعبے تھے۔ ابتداءً صرف اشاعتِ کتب کا شعبہ تھا۔ مگر دو سال کے بعد اور کئی شعبے قائم ہوگئے، اور ہر شعبے کا ایک عملہ متعین کر دیا گیا تا کہ ہر شعبے کا کام اپنے اپنے وقت پر بآسانی ہوتا رہے۔ اور کام کی رفتار تیز ہوتی رہے۔ جماعت رضائے مصطفےٰ کے درج ذیل شعبے تھے:

(۱) شعبۂ اشاعت کتب
(۲) شعبۂ تبلیغ وارشاد
(۳) شعبۂ صحافت
(۴) شعبۂ سیاست
(۵) شعبۂ دارالافتاء

شعبۂ اشاعتِ کتب

جیسا کہ آپ نے جماعت رضائے مصطفےٰ کے اغراض و مقاصد کا مطالعہ کیا ہے کہ جماعت کا ایک اہم مقصد ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا و دیگر علمائے اہلِ سنّت کی کتابوں کو شائع کرنا۔ "شعبۂ اشاعتِ کتب" کی خدمات اچھی خاصی ہیں۔ اس شعبے کے تحت تقریباً ۵۰۰ سو کتابیں شائع ہوئیں اور وقتاً فوقتاً پوسٹر اور اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصانیف کی تبییض بھی بہت دشوار تھی۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو آپ کے قلم و تحریر اور خط کو خوب پہنچانتا ہو۔ اس کام کے لیے حافظ یقین الدین بریلوی کو متعین کیا گیا اور صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصانیف کو شائع کرنے کی غرض سے مولانا حسنین رضا بریلوی نے محلہ سوداگراں بریلی میں "حسنی پریس" اپنے والد استاذِ زمن مولانا حسن بریلوی کے نام سے قائم کیا۔ کتابت کے بعد تصحیح کا مرحلہ ہوتا ہے۔ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی کو ہی یہ ذمّے داری بھی سونپی گئی کہ وہ طباعت کا کام انجام دلانے کے ساتھ ساتھ پروف ریڈنگ کا بھی کام کریں گے۔ مولانا حسنین رضا بریلوی نے حسنی پریس سے کثیر تعداد میں کتابیں شائع کیں۔ مولانا اعجاز ولی خاں بریلوی نے بھی اشاعتِ کتب میں حصّہ لیا اور جماعت کا کچھ بار اپنے سروں پر لیا۔ پوسٹر وغیرہ انہیں کے اہتمام سے شائع ہوتے۔

شعبۂ تبلیغ وارشاد

جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی کا دوسرا اہم شعبہ "تبلیغ وارشاد" تھا۔ اس شعبے کے ذریعے دیگر شہروں اور دیہات میں علما و مقررین روانہ کیے جاتے تھے۔ اور باطل فرقوں کے رد کے لیے مناظر بھی بھیجے جاتے تھے۔ ائمۂ مساجد کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ رمضان کے مہینے میں حفاظ کی تقرری بھی ہوتی تھی۔ شعبۂ تبلیغ وارشاد میں خصوصیت کے ساتھ یہ لوگ شامل تھے:

(۱) مناظرِ اعظم ہند مولانا حشمت علی خاں رضوی لکھنوی۔
(۲) ملک العلما مولانا ظفر الدین رضوی بہاری۔
(۳) شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا ہدایت رسول نوری رامپوری۔
(۴) مداح الحبیب مولانا جمیل الرحمن خاں رضوی بریلوی۔
(۵) مولانا قطب الدین برہمچاری معروف پردیسی مولانا۔

شعبۂ تبلیغ و ارشاد کی جدوجہد سے نہ جانے کتنے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا، وہابی اور غیر مقلد افراد نے توبہ کی اور اہلِ سنّت سوادِ اعظم میں داخل ہوئے۔

شعبۂ صحافت

جماعت رضائے مصطفےٰ کا تیسرا شعبہ "صحافت" تھا۔ اس شعبے کے ذریعے ہندوستان بھر میں جماعتِ رضائے مصطفےٰ کے کارناموں اور سرگرمیوں کو نشر کیا جاتا تھا۔ اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے خلاف لکھے گئے مراسلوں، مضامین اور خبروں کا رد لکھا جاتا تھا۔ جماعت کے حامی کئی ایسے اخبار تھے جو اس کی سرگرمیوں کو سراہتے تھے اور اپنے مؤقر اخبار میں نمایاں جگہ دیتے تھے، مثلاً ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رامپور، ہفت روزہ الفقیہ امرتسر، ہمدم لکھنؤ، روہلکھنڈ گزٹ بریلی، روزنامہ سیاست لاہور، روزنامہ روزانہ اخبار بریلی اور اس وقت

کچھ ایسے مجلات بھی تھے جو ماہ بماہ نکلتے تھے وہ بھی جماعت کی سرگرمیوں کو چھاپنے میں فخر محسوس کرتے تھے جیسے ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ، ماہنامہ آفتابِ اسلام احمد آباد، ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد وغیرہ۔ کچھ دنوں کے بعد جماعت رضائے مصطفےٰ نے اپنا ایک ترجمان بنام "ماہنامہ یادگارِ رضا بریلی" جاری کیا، جو کافی عرصے تک جماعت کی خدمات اور نظریات سے عوام کو آگاہ کرتا رہا جماعتِ رضائے مصطفےٰ کی صحافتی میدان میں خدمات، اور تعاقبات کی تفصیل دوسرے مقام پر مناسب جگہ پر دیدی گئی ہے۔ شعبۂ صحافت میں ادیبِ شہیر مولانا ابرار حسن حامدی صدیقی تلہری، مولانا سید حبیب احمد مدنی محسنی، مولانا نواب حمید احمد خاں بریلوی ایم، اے، ایل، جی اور مولانا حسنین رضا خاں بریلوی، مولانا محمد احمد خاں شاہجہانپوری اور مولانا مفتی محمد علی حامدی آنولوی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

شعبۂ سیاست

اس شعبے کے ذریعے ہندستان میں اٹھنے والی نئی نئی تحریکات کا تعاقب ہوتا تھا اور یہ تعاقب ایسی تحریکات کا کیا جاتا تھا، جو سیاست کے نام پر مذہب میں داخل ہوکر اسلام کی بیخ کنی کرتی تھیں۔ اس شعبے نے ہندستان کی سیاست کے میدان میں قدم نہیں رکھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ سیاسی تحریکات کا بالغ ردکیا۔ مثلاً خلافت کمیٹی، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ گاؤکشی، ہندو مسلم اتحاد اور تحریکِ آزادی وغیرہ۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ سیاسی اکھاڑے میں آکر اپنا پرچم لہرایا جائے۔ بلکہ یہ نظریہ تھا کہ سیاست کے ذریعے اسلام پر حملہ نہ کیا جائے اور مسلمانوں کا استحصال نہ ہو، وہ کام انجام پزیر ہوں جو اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے سود مند ہیں۔ جماعتِ رضائے مصطفےٰ نے جن سیاسی لیڈروں کا رد کیا، ان میں مسٹر گاندھی، ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور مولانا عبدالماجد بدایونی قابلِ ذکر ہیں۔ ہندستانی سیاست پر مذکورہ لیڈر چھائے ہوئے تھے، ان کا رد کرنا گویا کہ شیر کے منہ میں پنجہ ڈالنا ہے۔ مگر جماعتِ رضائے مصطفےٰ کے شعبۂ سیاست نے اس کی پرواہ کبھی بھی نہ کی اور اعلاے کلمۃ الحق کا فریضہ ہمیشہ انجام دیا۔

شعبۂ دارالافتاء

بریلی کی شانِ افتاء عرصۂ دراز سے معروف تھی۔ یہاں پر مولانا رضا علی خاں (جد امجد امام احمد رضا) کے دور سے آج تک فتوٰی نویسی کی خدمت چلی آرہی ہے۔ جماعتِ رضائے مصطفےٰ کا یہ چوتھا شعبہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس رضوی دارالافتاء سے برصغیر ہی نہیں بلکہ دیگر برّاعظموں تک فتاوٰی جایا کرتے تھے۔ ایک عام شخص سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص تک، شریعت کے معاملے میں رضوی دارالافتاء کے دروازے کھٹکھٹاتا تھا۔

جماعتِ رضائے مصطفےٰ نے اس شعبۂ افتاء میں ماہر مفتیانِ کرام کی تقرری کی تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شاگردوں میں مفتی نواب مرزا بریلوی، مولانا مفتی سلطان احمد خاں بریلوی، مفتی محمد رضا خاں بریلوی، مفتی عبدالرشید بہاری، مولانا ابرار حسن صدیقی تلہری، مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مفتی محمد علی حامدی فتوٰی نویسی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کے شعبۂ رضوی دارالافتاء کے فتاوی چشمۂ دارالافتاء بریلی کے نام سے مستقل ایک زمانے تک ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رامپور میں چھپتے رہے [۳]۔ ماہنامہ تحفۂ حنفیہ پٹنہ میں بھی فتاویٰ شائع ہوتے تھے۔ ان فتاوٰی پر اکثر اعلیٰ حضرت یا حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کی تصدیق ہوا کرتی تھی۔ بعض اخبارات میں یہ دیکھنے کو ملا کہ قارئینِ اخبار ایک عام سوال شائع کرادیتے اور جواب کے لیے عام مفتیانِ کرام کو اجازت ہوتی، مگر کوئی مفتی قلم نہ اٹھاتا، بالآخر وہ قاری لکھتا کہ "جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی کے مفتیانِ کرام سے امید ہے کہ وہ شافی وکافی جواب عنایت کریں گے۔" جماعتِ رضائے مصطفےٰ کے شعبۂ رضوی دارالافتاء سے جاری شدہ فتاوٰی کی تعداد لاکھوں کے قریب ہوگی۔ سب محفوظ نہ رہ سکے، ہاں جو فتاوی اخبارات اور رسائل میں شائع ہوئے وہ آج بھی محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ سارا ذخیرہ جلد از جلد منظرِ عام پر آجائے، اور عامۂ مسلمین اس سے استفادہ کرسکیں۔ (آمین)

حواشی

۱۔ روداد جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی، سال اوّل ۱۳۳۹ھ / ص ۲۳، ۲۴۔

۲۔ روداد جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی، سال اوّل ۱۳۳۹ھ / ص ۲۴۔

۳۔ ایوب علی رضوی، سید مولانا، روداد جماعت رضائے مصطفےٰ سال اوّل ۱۳۳۹ھ، ص ۲۴۔

۴؎ ایوب علی رضوی، سید مولانا، روداد جماعت رضائے مصطفےٰ سال چہارم ۱۳۴۲ھ، ص ۴۵۔

۵؎ بروایت مولانا شاہ شوکت حسن قادری رضوی، مقیم کراچی، داماد خاص مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا بریلوی آپ کو مفتی اعظم ہند سے بیعت و خلافت کا شرف بھی حاصل ہے اور کئی بار زیارت حرمین شریفین سے شرفیاب ہوئے، راقم سے نہایت درجہ محبت فرماتے ہیں۔ ان کی گفتگو میں تعلیمی اور تعمیری پہلو زیادہ نمایاں رہتا ہے۔ جب کبھی بزرگوں کے واقعات سنانے لگتے ہیں تو بڑے اہتمام و ادب کے دائرے میں سناتے ہیں اور بعض اوقات تو یہ دیکھا گیا کہ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت سناتے سناتے غشی طاری ہوگئی اور بے ساختہ آنسو بہنے لگے۔ رمضان المبارک کے پورے مہینے میں پوری رات عبادات و ریاضات میں گزارتے ہیں۔ بڑے متقی پرہیز گار اور صوفی منش انسان ہیں، قد لمبا، چہرہ نورانی داڑھی بالکل سفید اور خوبصورت، بال سنتِ رسول کی حد تک، لباس میں کرتا پائجامہ اور شیروانی اور گلے میں ایک پیلا رومال ہمیشہ پڑا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا شاہ شوکت حسن رضوی مدظلہ کا سایہ قادیہ قائم رکھے۔ آمین!

۶؎ روداد جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی، سالِ اوّل ۱۳۳۹ھ، ص ۲۵۔

۷؎ روداد جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی، سالِ دوم، ۱۳۴۰ھ، ص ۳۶۔

۸؎ رودادِ جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی، سالِ اوّل ۱۳۳۹ھ، ۲۵، ۲۶۔

۹؎ رودادِ جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی، سالِ اوّل ۱۳۳۹ھ، ص ۲۶، ۲۷۔

۱۰؎ روداد جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی، سالِ دوم ۱۳۴۰ھ، ص ۳۷، ۳۸۔

۱۱؎ روداد جماعتِ رضائے مصطفےٰ بریلی، سالِ چہارم ۱۳۴۲ھ، ص ۴۷ تا ۵۰۔

۱۲؎ چشمۂ دارالافتاء بریلی تاریخی نام ہے، اس عنوان سے چھپے ہوئے فتاویٰ راقم کے پاس محفوظ ہیں۔ اگر ان کو ترتیب دیا جائے تو ایک ہزار صفحات کی کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ کوئی عالم اس طرح متوجہ ہوں اور اس پر کام کرکے ان فتاویٰ کو ذخیرۂ کتب میں محفوظ کردیں۔ ۱۲ رضوی عفرلہٗ۔

(بقیہ صفحہ نمبر 14 سے ملحق)

چاہتا ہے کہ علما اور طلبا کھانے پینے کے حق میں فرشتہ خصال ہوجائیں۔ وہ آمدنی جس کا مصرف یہی مدارس ہیں دوسرے کاموں میں صرف کی جاتی ہے اور مستحق محروم چھوڑدیے جاتے ہیں۔ مدرسوں کے پاس اتنا سرمایہ ہی نہیں ہوتا جس سے وہ اپنی حالت درست کرسکیں۔ مدارس کو موجودہ قلیل تنخواہوں کا ادا کرنا دشوار ہے اگر تنخواہیں بے وقت ادا کی جاتی ہیں اور مہتمم کو تقاضے سننے کی کوفت اٹھانا پڑتی ہے اس کا دماغ ان فکروں سے پریشان رہتا ہے اور کوئی صورت کامیابی کی نہیں نکلتی۔ مسلمان اس طرف سے بہت افسردہ خاطری برتتے ہیں۔ چندے بہت قلیل ہیں اور وہ بھی وقت پر نہیں پہنچتے۔ شکم سیر، بے فکروں کو شکایت ہے کہ ان مدارس میں گداگری کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ ہمارے طلبہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ شکایت کرتے ہوئے ان کو غیرت آنا چاہیے کہ انھوں نے مذہب و دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے والوں اور عیش و راحت سے دست کش ہوجانے والوں کو خود کس حالت میں رکھا ہے کیا کسی مدرسے کو آج یہ ثروت حاصل ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو انگریزی اسکولوں کے بورڈوں کی حیثیت میں رکھ سکے۔ طلبہ کی اُلو العزمی اور مردانگی صد ہزار آفرین کی مستحق ہے کہ وہ باوجود ان مصائب کے طلبِ علم میں محو ہیں اور آسائش کے مفہوم مفروض الوجود کا تصور بھی ان کے قلب میں نہیں گزر سکتا۔

[ماخوذ: الرضا، ذیقعد ۱۳۳۸ھ]

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

(حدائق بخشش)

اعلیٰ حضرت کی شانِ مجدّدیت

ملک العلما مولانا ظفر الدین رضوی فاضل بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی اصل شانِ مجدّدیت یہ ہے کہ اسلام پر اپنے اور غیر لوگوں نے اپنی جہالت و نادانی یا بد مذہبی اور بے دینی کی وجہ سے جو خس و خاشاک ڈال رکھا تھا، اس کو دور کر کے دین اسلام کو پھر مجلیٰ اور از سرِ نو نیا کر دیا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ جو شخص شرع کی نگاہ میں جس حیثیت کا ہو، اس کی حیثیت بلا رور عایت اور بلا خوف لومۃ لائم ظاہر کر دی جائے اور اس میں اس کا ہرگز خیال نہ فرمایا جائے کہ اگر ہم کسی کا رد کریں گے یا اس کے بارے میں جو حکمِ شرع ہے ظاہر کریں گے تو وہ مجھے برا بھلا کہے گا، یا دشمن ہو جائے گا، یا میری مقبولیت میں فرق آجائے گا، اس لیے کہ ان کے تمام اعمال و افعال، اقوال واحوال محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تھے، کسی این وآں، چنیں وچناں، مدح وستائش یا ذم سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ خود فرماتے ہیں:

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دروے
جز من و چند کتابے و دواتے و قلمے

چنانچہ مجھ سے میرے ایک ملنے والے صاحب نے فرمایا کہ ”اعلیٰ حضرت کا علم و عمل، تقویٰ و فضل، جامعیت، کمالِ ظاہری و باطنی کا کوئی بھی منکر نہیں۔ اگر اعلیٰ حضرت کسی کا رد اور مناظرہ وغیرہ نہ کرتے، تو ان سے بڑھ کر ہندوستان میں کس کی عزت ہوتی؟ اور از گنگ تا سنگ واز کشمیر تا راج کماری ان کی مقبولیت ہر طبقہ، ہر گروہ میں ہوتی۔“ میں نے کہا ”یہ تو خدا پرستی نہ ہوئی، بلکہ خود بینی و خود پرستی ہوئی۔ الحب فی اللہ و البغض للہ بھی کوئی چیز شرعی ہے یا نہیں؟ رہی عوام اور بد مذہبوں میں حق گوئی کی وجہ سے عدم مقبولیت، تو آپ نے ”مثنوی شریف“ کے یہ اشعار سنے ہیں یا نہیں؟ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

گر دوسہ ابلہ ترا مسکر شوند　　تلخ کے گردی چوں ہستی کان قند
گر دوسہ احمق ترا تہمت نہد　　حق برائے تو گواہی می دہد
گر خفاشے راز خورشیدے ست　　آں دلیل آمد کہ او خورشید نیست
نفرت خفاشکان باشد دلیل　　کہ منم خرشید تابان جلیل
گر گلابے را جُعل راغب شود　　آں دلیل ناگلابی می شود
ور شود قلبے خریدار محک　　در محکی اش در آید نقص و شک
فار قم فاروقیم غربیل وار　　تا کہ کاہ از من نمی یابد گزار
ار ور اپیدا کنم من از بسوس　　تا نمایم ایں نقوش ست ایں نفوس
من چو میزان خدایم در جہاں　　وانمایم ہر سبک راز گراں“

عزیزی نور العین مولوی مختار الدین احمد رضوی سلمہ علی گڑھ سے ایک مرتبہ آئے، تو چند کتابیں اپنے ساتھ لیتے آئے۔ اس میں سے ایک رسالہ ”استاذ العلماء“ مجھے دیکھنے کے لیے دیا۔ دیکھا کہ نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی (رئیس حبیب گنج، صدر الصدور حیدر آباد دکن) کی تصنیف حضرت استاذ الاساتذہ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے۔ رسالہ اگرچہ بہت ہی مختصر ہے، مگر کافی معلومات سے پُر ہے۔ اس میں ایک جگہ تحریر ہے کہ: ”آپ کی بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ کہیں آپ کی زبان کسی کی تکفیر سے ملوث نہیں ہوئی۔“ اس کو دیکھ کر متردد ہوا کہ یہ کیا لکھا ہے؟ پھر ”حیات شبلی“ دیکھنے کا اتفاق ہوا، تو صفحہ ۳۰۲ پر اس میں بھی لکھا ہے: ”حضرت مفتی لطف اللہ صاحب کی دو خصوصیتیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ انھوں نے عمر بھر کسی کی تکفیر نہیں کی، دوسری یہ کہ کانپور کے ہی قیام کے زمانے میں انگریزی سے اتنے حروف شناس ہو گئے تھے کہ تار وغیرہ پڑھ لیتے تھے۔“

اس میں شک نہیں کہ علم شئ بہ از جہل شئ ہے۔ اس وجہ سے اتنی انگریزی سے واقفیت کہ تار وغیرہ پڑھ لیں، ضرور قابل تعریف اور خصوصیت میں شمار ہو سکنے کے لائق ہے، لیکن۔۔۔ ”عمر بھر کسی کی تکفیر نہیں کی“۔۔۔ میں بہت غور وخوض کرنے پر نہ سمجھ سکا کہ یہ

کون سی تعریف کی بات ہے؟ اور ان دونوں حضرات نے اس کو تعریف میں کس طرح شمار کیا؟ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کی دعا ہے: "اللھم ارنا الا شیاء کما ھی"۔ حکمت کی تعریف بھی علما نے فرمائی: ھوعلم یبحث فیه عن حقائق الا شیاء علیٰ ماھی علیه فی نفس الا مربقدر الطاقة البشریة وعرفه بعض المحققین باحوال اعیان الموجودات علی ماھی علیه فی نفس الا مر بقدر الطاقة البشریة۔ تو اگر "کسی کی" سے مراد "کسی مسلمان کی" ہے، تو یہ تعریف بے شک تعریف ہے کہ کسی مسلمان کی جب تک وہ مسلمان ہے، اور کوئی کلمہ کفریہ اس سے سرزد نہیں ہوا، کبھی آپ نے تکفیر نہ کی۔ مگر یہ کوئی خصوصیت حضرت استاذ الاساتذہ کی نہیں۔ یہ صفت اور تعریف کل علما ورنہ اکثر علمائے کرام کی ضرور ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ باوجود کلمۂ کفر، پھر بھی اسے کافر نہ کہا اور زبان دبائے رہے، تو میں نہیں سمجھتا کہ یہ کس طرح تعریف و توصیف کے شمار میں آسکتی ہے؟ جبکہ خداوندِ عالم نے علما سے عہد لیا ہے کہ جب اِن سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اسے حق بیان کردینا، چھپانا نہیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ؗ

ہوسکتا ہے کہ جناب صدر الصدور صاحب اپنے استاذ کی یہ تعریف پسند کرتے ہوں اور ضرور پسند کرتے ہیں، جب ہی تو لکھا اور چھاپ کر شائع کیا۔ لیکن میں اپنے استاذ الاساتذہ (اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا) کی یہ تعریف کرنا کسی طرح پسند نہیں کرتا کہ سب مسائل تو بیان فرمادیا کرتے، اور مطابق شرع شریف فتویٰ دیا کرتے، لیکن جب کسی مسئلۂ کفریہ سے سوال ہوتا تو خاموشی اختیار فرماتے، زبان دبالیتے۔ آیتِ قرآنیہ مسطور بالا کے خلاف کرتے، عہدِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ الساکت عن الحق شیطان اخرس حق سے سکوت کرنے والا گونگا شیطان ہے۔ اس حدیث شریف کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ کسی شخص نے ان سے کسی کے اقوال کفریہ پیش کرکے اس کا حکم پوچھا ہی نہیں۔ اس لیے آپ نے کسی کی تکفیر نہ کی۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی مسئلہ ایسا پوچھا جائے، جس کا جواب شرعی یہ ہے کہ ایسا شخص کافر ہو، مگر حضرت استاذ الاساتذہ نے معاذ اللہ غلط جواب دیا ہو، اور کلماتِ کفریہ کے صدور کے بعد بھی مسلمان بتایا ہو، یا جواب سے اعراض و سکوت کیا ہو۔

اور کبھی کسی کی تکفیر نہ کرنا کیونکر قابلِ تعریف بات ہوسکتی ہے؟ جب خداوندِ عالم نے تکفیر کی، رسول اللہ ﷺ نے تکفیر کی، صحابہ کرام نے تکفیر کی۔ تابعینِ عظام نے تکفیر کی، ائمہ اسلام، مجتہدین مذاہب اربعہ نے تکفیر کی۔

حضرت عزحق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ؕ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے کلمہ کفر نہ کہا اور البتہ بیشک وہ کلمہ کفر بولے اور مسلمان ہوکر کافر ہوگئے۔ اس آیت میں وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ؕ ہر وقت یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ابن جریر وطبرانی وابوالشیخ وابن مردویہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ایک پیڑ کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا: "عنقریب ایک شخص آئے گا کہ تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا، وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔" کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک کرنجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا:

"تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہیں؟" وہ گیا، اور اپنے رفیقوں کو بلا لایا۔ سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور کی شان میں بے ادبی کا نہ کہا۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے گستاخی نہ کی، اور بے شک ضرور یہ کفر کا کلمہ بولے، اور تیری شان میں بے ادبی کرکے اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ گواہی دیتا ہے کہ نبی کی شان میں بے ادبی کا لفظ کلمۂ کفر ہے، اور اسے کہنے والا کافر ہوجاتا ہے۔ اگرچہ وہ لاکھ مسلمانی کا مدعی، کروڑ بار کا کلمہ گو ہو۔

اور فرماتا ہے: وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اور اگر تم ان سے پوچھو تو بے شک ضرور کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے۔ تم فرمادو: کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ہو اپنے ایمان کے بعد۔ ابن ابی شیبہ وابن جریر وابن منذر وابن ابی حاکم وابو شیخ امام مجاہد تلمیذِ خاص سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہم سے روایت فرماتے ہیں: انه قال فی قوله تعالیٰ: وَلَئِنْ سَئَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَب ط قال رجل من المنا فقين يحد ثنا محمد ان ناقة فلان بوادی كذاو كذاو مايدريه بالغيب۔ یعنی کسی شخص کی اونٹنی گم ہو گئی، اس کی تلاش تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے۔ اس پر ایک منافق بولا محمد (ﷺ) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے محمد غیب کیا جانیں؟ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ کیا اللہ ورسول سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ۔ تم مسلمان کہلا کر اس لفظ کے کہنے سے کافر ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصر جلد دہم، ص ۱۰۵ و تفسیر در منثور امام جلال الدین سیوطی، جلد سوم، ص ۲۵۴)

حدیثوں میں جو کفر کے فتوے دیے گئے ہیں، اگر ان سب کو جمع کیا جائے، تو ایک جزسے زائد ہو، نہ احصا کی ضرورت، نہ اس کی فرصت۔ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ (۱) من اتی عرّافا او کاهنا فصد قه بما يقول فقد كفر بما انزل علی محمد ﷺ رواه الامام احمد والحاكم عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه۔ (۲) من اتی کاهنا فصد قه بما يقول اواتی امرأة حائضا اواتی امرأة فی دبرها فقد بری بما انزل علی محمد ﷺ رواه الامام احمد وابو داود والترمذی والنسائی وابن ماجه۔ (۳) من اتی کاهنا فسأله عن شئی حجبت عنه التوبة اربعين ليلة فان صدقه بما قال كفر رواه الطبرانی فی الكبير عن واثله رضی الله تعالیٰ عنه۔ (۴) من ترك الصلوٰة متعمدا فقد كفر جهارا رواه الطبری فی الاوسط عن انس رضی الله تعالیٰ عنه۔ (۵) من حلف بغير الله فقد اشرك رواه الامام احمد والترمذی والحاكم عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔ (۶) من كذب بالقدر فقد كفر بما جئت به رواه عدی عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔

صحابۂ کرام کا کفر کا فتویٰ دینا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد و دیگر صحابۂ کرام کے اجماع سے ابینُ وروشن کہ آپ نے منکرِ زکوٰۃ کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا، اور ان پر جہاد کو کفار ترک و دیلم پر جہاد کے مثل قرار دیا۔

فقہائے کرام حنفیہ کے فتاوائے کفر دیکھنا ہو تو "فتاویٰ عالم گیری" و "شرح فقہ اکبر" ملا علی قاری میں موجبات کفر کی بحث دیکھیے۔

پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عالم کے لیے خلاف طریقۂ خدا اور رسول عزوجل و ﷺ وصحابہ کرام و فقہائے عظام روش کیونکر قابل مدح وستائش ہو سکتی ہے؟

بات اصل یہ ہے کہ زمانے میں دو ذہنیت کے انسان ہیں۔ بعض نرم طبیعت کے ہیں۔ ان کے خیال میں ہے کہ کوئی کیساہی ہو، ہم کیوں اپنی زبان یا قلم سے ایسا حکم لکھیں، جو اس کی تکلیف اور دل آزاری کا سبب ہو۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ہم بااختیار نہیں ہیں، ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ عقائد سے لیکر اعمال، طہارت کے مسائل سے فرائض تک جو مسئلہ مجھ سے پوچھا جائے گا، اس کا جواب دینا ہم پر فرض ہے۔ اس میں کسی شخص کی ولازاری اور خوشنودی کے خیال سے بڑھ کر حضرت عزت سبحانہ و تعالیٰ کی خوشی اور اس کی طرف کی ذمہ داری ہے۔ اور اگر نہ کیا جائے، تو دین میں سخت فتنہ انگیزی ہو گی۔ جس مصلحت سے حضراتِ محدثین کرام نے رواۃ کی جرح کی ضرورت جانی، کہ بے رورعایت کذاب، وضاع، متہم، مختلط، سئ الحفظ، کثیر الوہم جو جیسا ہو اس کو بیان کر دیں اس میں رورعایت نہ کریں، ورنہ دین میں رخنہ اندازی ہو گی۔ اسی طرح سے یہ جماعت نہ ان لوگوں کو ذلیل اور بدنام کرنے کی نیت سے، بلکہ ان کی صحیح حالت بتا کر دوسرے مسلمان بھائیوں کو ان کے شر سے بچانا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اترعون عن ذكر الفاجر متی يعرفه الناس اذكروا الفاجر بما فيه يحذره الناس۔ "کیا ورع سمجھتے ہو فاجر کے ذکر سے، کب اسے لوگ پہچانیں گے؟ ذکر کرو فاجر کو اس وصف کے ساتھ جو اس میں ہے۔ تاکہ لوگ اس سے بچیں۔" رواه ابن ابی الدنيا فی ذم الغيبة والحكيم فی نوادر الا صول والحاكم فی المستدرك والتسيرازی فی الالقاب وابن عدی والطبرانی فی الكبير والبيهقی فی السنن والخطيب البغدادی عن بهزبن حكيم عن ابيه عن جده۔ یہ وجہ صاف صاف ان کے (بارے میں) حکم خداوندی کو بیان کر دینے کی ہے کہ اگر توفیق رفیق ہو تو توبہ کر کے دائرۂ اسلام یا ورع و تقویٰ میں آئیں۔ ورنہ دوسرے مسلمان اس کی ضلالت اور بے دینی کا شکار

ہونے سے بچیں گے۔ جب فاجر کے ذکر کی یہ ترغیب ہے، تو کافر کے کفر پر پردہ ڈالنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ علاوہ بریں کسی شخص کی یہ تعریف کرنا کہ اس نے ہر اچھے برے کو اچھا ہی سمجھا، تمام گورے کالے کو گورا ہی جانا، کسی کو برا نہ کہا، نہ کسی کو کالا کہا، کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔

اسی لیے میں اپنے استاذ اور شیخ پیر و مرشد مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، جناب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی نہ یہ تعریف کرتا ہوں، نہ ایسی تعریف کرنا پسند کرتا ہوں، اور اگر اثر زمانہ سے متاثر ہو کر میں یہ تعریف کروں کہ انہوں نے کسی کی تفسیق، تضلیل، تکفیر نہ کی، تو واقعے کے خلاف، اور ان کے اصل کمال پر پردہ ڈالنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حقائق اشیا کما ھی علیہ فی نفس الا مر ظاہر کر دیا تھا، جو جیسا ہے، ویسا ہی ان کو دکھا دیا تھا۔ اس لیے وہ جس طرح اللہ کو ایک، رسول اللہ ﷺ کو سچا اور خاتم الانبیا رسول، قرآن شریف کو الٰہی کتاب، فرشتوں کو معصوم مخلوق، دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی آدم سے عیسیٰ علیہ السلام تک خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول مانتے تھے۔ اولیائے کرام، صلحا، سالکین، قانتین و واصلین، نجبا، نقبا، ابدال، بدلا، اوتاد، امامین، قطب، غوث، صدیق کو علیٰ فرق مراتب، خداوند عالم کے مقبول بندے مانتے اور تقریر و تحریر میں ان کے رتبہ کے مطابق ان کی تعظیم و توقیر کرتے، اور مخالفین کی پروانہ کرتے کہ ان کی تعظیم و توقیر تعریف و توصیف کی وجہ سے وہ جلیں گے، میری مخالفت کریں گے۔ اسی طرح فاسق، فاجر، تارک الصلوٰۃ، داڑھی منڈے، شرابی، جواری، بدمذہب، بددین، مفسقہ، تفضیلیہ، نواصب، روافض، خوارج، ندویہ، وہابیہ، دیوبندیہ، قادیانیہ، گاندھویہ، نیچریہ، نصاریٰ، آریہ اور ہنود سے کبھی محبت والفت، بروموالات، تعظیم و توقیر، تعریف و توصیف نہ فرمائی۔ اور نہ ان کے موافقین و معتقدین کی کوئی پرواہ کی کہ وہ لوگ ہمیں برا سمجھیں گے، بے قدری کریں گے، نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے، بلکہ تحریر میں، تقریر میں، جب کبھی موقع ہوا اور ضرورت پڑی بے تامل، بلا لحاظ مصلحت بینی، و مآل اندیشی، جو حکم شرعی جس کا تھا، یا جس مسئلہ میں جس رد کی ضرورت جانی، رد کیا۔

اعلیٰ حضرت کا مسلک محبت و عداوت میں بالکل اس حدیث کا آئینہ تھا: من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان۔ جس نے محض اللہ کے لیے محبت کی (جس سے بھی محبت کی) اور اللہ ہی کے لیے عداوت کی (جس سے بھی عداوت کی) اور (جس کو جو کچھ دیا وہ) اللہ ہی کی رضا کے لیے دیا اور جس کو منع کیا وہ بھی اللہ ہی کے لیے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کیا۔ رواہ ابو داود عن ابی امامہ والترمذی عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اوحی اللہ تعالیٰ الی نبی من الانبیاء ان قل لفلان العابد اما زھدك فی الدنیا فتعجلت راحہ لنفسك واما انقطاعك الی فتعززت بہ فمالی علیك قال یا رب ومالك علی قال ھل والیت لی ولیا او عادیت لی عدوا۔ یعنی اللہ عزوجل نے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو وحی بھیجی کہ فلاں عابد سے کہہ دیجیے کہ تیرا دنیا میں زہد اختیار کرنا، تو اس سے تو نے اپنے نفس کی راحت جلد حاصل کرلی اور دنیا سے کٹ کر میری طرف متوجہ ہونا تو اس ذریعہ سے تو عزت حاصل کرلی، تو جو حق میرا تجھ پر ہے اس کے بارے میں تو نے کیا کیا؟ عابد نے کہا، اے میرے رب! اور تیرا حق مجھ پر کیا ہے؟ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ کیا میرے لیے کسی شخص سے تو نے دوستی کی، اور میرے لیے کسی شخص کو دشمن بنایا؟ رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والخطیب فی التاریخ وغیرہ فی غیرہ عن بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

▲ ▲ ▲ ▲ ▲

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گُلِ زیب کہوں تجھے

(حدائقِ بخشش)

فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۳۱۷ھ)

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

تحریک ندوۃ العلما کی تاریخ سے متعلق علامہ عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری کا مضمون معارف رضا مارچ ۲۰۱۰ کے شمارے میں قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ندوہ کیا تھا؟ آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کے اہلسنت اور بدمذہبوں کو ملا دینے کی ایک سازش تھی تاکہ اہلسنت کا تشخص ختم ہو جائے۔ تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی قیادت میں علما کی اکثریت نے اس تحریک کو ناکام بنا دیا۔ امام احمد رضا کی اس تجدیدی خدمت کی بنا پر پہلی مرتبہ ندوہ کے خلاف ہی ایک جلسے میں علمانے انکو مجدد کے لقب کا حقدار قرار دیا۔ امام احمد رضا اور علما اہلسنت نے ندوہ کے خلاف ایک سو سے زیادہ کتب تحریر کیں جن میں سب سے زیادہ معرکۃ الآرا کتاب فتاوٰی الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۳۱۷ھ) ہے۔ چونکہ حق اور باطل کا فرق مٹا دینے کیلئے ایسی تحریکیں آج بھی چلائی جاتی ہیں لہٰذا ایسے غیر فطری اتحادوں اور صلح کلیت کا شرعی حکم جاننے کیلئے اس کتاب کا خلاصہ جو امام احمد رضا نے کتاب کے شروع میں تحریر کیا یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ عبید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

[خلاصہ احکامِ ندوہ]

مسلمانو! بحمد اللہ تعالیٰ اس فتوے نے حجتِ الٰہیّہ قائم کردی۔ ندوہ وندویان وجملہ مبتدعان کی اندرونی وبیرونی ضلالتوں کی جڑ کاٹ دی، گردن کتر دی۔ اب جو نہ دیکھے، کان نہ دھرے، حق سمجھنے کا قصد نہ کرے، روزِ قیامت اس کے لیے کوئی عذر نہ ہو گا۔ دنیا چند روزہ ہے، واحدِ قہار سے کام پڑنا ہے۔ للہ ایک ذرا تعصّب و سخن پروری سے جُدا ہو کر تفکر کرو، تنہائی قبر و ہنگامہ حشر کا تصوّر کرو۔ اس دن نامۂ اعمال کھولے جائیں گے، اس بھڑکتی آگ کو سامنے لائیں گے، اہلِ سنّت نجات پائیں گے، اُن کے مخالف نارِ جہنم میں دھکّے کھائیں گے، مخالفوں کے ساتھی مخالفوں کے ساتھ ایک رسّی میں باندھے جائیں گے، آنریری، مجسٹریٹی، ڈپٹی کلکٹری، ججی وغیرہ کے منصب کام نہ آئیں گے۔ صدارت، نظامت، رکنیت وغیرہا یہ سب بکھیڑے یہیں رہ جائیں گے، ہر ایک اپنی اکیلی جان سے، اپنے اعمال، اپنے ایمان سے بارگاہِ عدالت میں حاضر ہو گا، ہر دل کا راز ظاہر ہو گا، کوئی جھوٹا حیلہ ہر گز نہ چلے گا، بات بنانے کو راستہ نہ ملے گا، عالم الغیوب سوال کرے گا، دانائے قلوب اظہار لے گا، وہاں یہ کہتے نہ بنے گی کہ ہم غافل تھے، کچھ مولویوں نے بہکا دیا ہم جاہل تھے۔ آج کام اپنے اختیار میں ہے، رحمتِ الٰہی توبہ کے انتظار میں ہے، للہ انصاف کی آنکھ کھولو، حق وباطل میزانِ عقل میں تولو، وہ کام کر چلو کہ بول بالا ہو، اللہ و رسول سے منہ اجالا ہو، دیکھو دیکھو، آنکھ کھول کر دیکھو۔ یہ مبارک تحقیقیں، یہ مقدس تصدیقیں تمہارے معبودِ عظیم کے پاک گھر سے آئیں، تمہارے نبی کریم کے شہر اطہر سے آئیں، سلیس اردو میں ترجمہ ہو گیا، حق کا آفتاب بے پردہ و حجاب جلوہ نما ہو گیا، اب اگر آنکھ اُٹھا کر نظر نہ ڈالو، اپنی اندھیری کوٹھری سے سر باہر نہ نکالو، تو تمہیں کہو کہ کیا عذر کرو گے، واحدِ قہار کو کیا جواب دو گے۔

نامۂ کاں بحشر خواہی خواند
از ہمیں جا سواد باید کرد

گھنٹوں بلکہ دنوں مہینوں قانون کا نون، دنیوی فنون یا ناولوں، افسانوں، اخباروں دیوانوں کے مطالعے میں گزارتے ہو خدا کو مان کر، قیامت کو حق جان کر، ایک نظر ادھر بھی، مگر اس کے ساتھ تعصب ونفسانیت سے قطعِ نظر بھی، خدا نے چاہا تو یہ اوراق تمہیں بہت کام آئیں گے، بڑے ہولناک دن کے صدموں سے بچائیں گے، پھر بھی اگر نازک مزاجی آڑے آئے، مرزا منشی اپنا رنگ جمائے، کہ کون اتنے اجزا دیکھنے میں وقت گنوائے، تو جانے دو یہ تمہارا بہی خواہ، تمہارا خیر طلب، ایک بہت ہی آسان طریقے سے عارضِ مطلب، یعنی ان مبارک فتاوٰے وتصدیقات کے فوائد و احکام کا نہایت مختصر خلاصہ حاضر کرتا ہے، اب اس کے دیکھنے میں کیا دن گزرتا ہے، اسی کے ملاحظہ سے عقائد واعمال کی تصحیح کیجیے، جس لفظ میں شک ہو اصل فتوے مع ترجمہ موجود ہے مطابق کرلیجیے، اے رب میرے توفیق

رفیق کر، آمین آمین بجاہ سید البشر ﷺ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وکرم، آمین، یہ خلاصۂ احکام علمائے کرام، معدود سطور کی چند فصلوں میں کامل تمام، ومن اللہ الہدایۃ وبہ الاعتصام۔

فصلِ اوّل

عام بدمذہبوں اور خاص نیچریہ، روافض، غیر مقلدین، تفضیلیہ، وہابیہ کے حق میں کیا احکام ارشاد ہوئے اُن سے برتاؤ کیسا چاہیے

بدمذہب[1] جتنے ہیں سب گمراہ ہیں، فتنہ پرداز ہیں، ظالم ہیں، ہالک ہیں، [2]ان کی اہانت واجب، ان کی توقیر حرام، ان سے بغض رکھنے، انہیں اپنے سے دور ہانکنے کا حکم ہے۔ وہ مفسد ہیں انہوں نے دین کو پارہ پارہ کردیا۔ ان سے میل جول حرام ہے، ان سے دوری واجب ہے۔ اہلِ سنّت کے سوا سب کلمہ گو اہلِ قبلہ گمراہ فاسق، بدعتی، ناری ہیں۔ صحابہ کرام سے آج تک تمام امتِ مرحومہ کا اس پر اجماع ہے۔ مسلمانوں پر ان کا ضرر کافروں سے زائد ہے۔ ان کی بات لاعلاج مرض ہے۔ ان کے مکر سے پہاڑ ٹل جاتے ہیں، [3]وہ گمراہ و گمراہ گر ہیں۔ شیطان نے جھوٹی ملمع کاری کی دلیلیں انہیں سکھا دی ہیں، ان کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔

احادیث[4] کا ارشاد ہے ان سے دور بھاگو، انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ [5]وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جاؤ، مریں تو جنازے پر نہ جاؤ، ملیں تو سلام نہ کرو، [6]ان کے پاس نہ بیٹھو، ساتھ کھانا نہ کھاؤ، پانی نہ پیو، شادی بیاہت نہ کرو، ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو، [7]نبی ﷺ ان سے بیزار ہیں، وہ نبی ﷺ سے بے تعلق ہیں، ان پر جہاد کا فرانِ ترک و دیلم پر جہاد کی مثل ہے۔ انہوں نے دین کو اوندھا کردیا۔ یہود ونصاریٰ کی طرح گمراہی کے جوش میں ابل پڑے۔ جب انہیں دیکھو درشتی و سختی وترش روئی سے پیش آؤ۔ اللہ عزوجل ان سے بغض رکھتا ہے۔ وہ پل صراط پر گزر نہ سکیں گے۔ مکھیوں اور پتنگوں کی مانند آگ میں گر پڑیں گے۔ ان کی بات سنی منع ہے۔ ان کی گمراہی کھجلی کی طرح اڑ کر لگتی ہے۔ جو انہیں جھڑکے اس کا دل اللہ تعالیٰ امن وایمان سے بھر دے۔ جو ان کی اہانت کرے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے اس بڑی گھبراہٹ سے پناہ بخشے، ان کے علما کیڑے ہیں۔ زبان کے عالم دل کے منافق ہیں۔ ان کے ہاتھوں امت کی خرابی ہے۔ ان سے خدا کی پناہ مانگو، ان سے بڑھ کر امت پر کسی کا اندیشہ نہیں، بدمذہب تمام جہان سے بدتر ہیں، سگ وخوک سے بدتر ہیں جہنم کے کتے ہیں۔ [8]وہ دجال سے بھی زیادہ اندیشہ ناک ہیں۔ ان کا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، عمرہ، فرض، نفل کچھ قبول نہیں۔ وہ اسلام سے نکل گئے جیسے آٹے سے بال۔ [9]بدمذہب اگر حجرِ اسود ومقامِ ابراہیم کے درمیان مظلوم قتل کیا جائے اور صابر وطالبِ ثوابِ خدا رہے جب بھی اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے۔ وہ سب جہنمی ہیں انہوں نے اسلام کی رسّی اپنی گردن سے نکال دی۔ [10]ان سے بچو، جو ان سے بغض رکھ کر ان سے منہ پھیرے اس کا دل چین اور اطمینان سے بھر جائے جو ان کی اہانت کرے اللہ تعالیٰ اس کے سو درجے جنت میں بلند فرمائے۔

نبی ﷺ نے بعض اصحابِ معاصی سے منہ پھیر لیا اور ان کے سلام کا جواب نہ دیا، پھر بدمذہب تو بدمذہب ہے۔ [11]صحابہ وتابعین وائمۂ دین نے ان کی بات کا جواب نہ دیا۔ ان کے سلام کا جواب نہ دیا، ان کے پاس بیٹھنے کو منع فرمایا، [12]انہیں بات نہ کرنے دی۔ قرآن کی آیت اپنے سامنے پڑھنے یا کوئی حدیث بیان کرنے نہ دی۔ [13]ایک نے فرمایا جو ان کے یہاں جائے ہمارے پاس نہ آئے۔ ایک نے قسم کھائی کہ بدمذہب سے کبھی بات نہ کروں گا، ان کے جنازے پر نہ گئے، ان کی نماز نہ پڑھی۔ اہلِ مدینہ نے بدمذہب کو شہر سے نکال دیا، جہاں گیا وہاں بھی لوگ اس کے پاس نہ بیٹھے، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی، حدیث ترک کی، ان سے حدیث لینے کی ممانعت فرمائی انہیں دجّال بتایا۔ مسجد میں ان کے پاس کھڑے ہونے سے حیا کی۔

[14]ائمہ فرماتے ہیں ان کے جلسے میں نہ جائے، ان کے پاس نہ پھٹکے عیدوں اور خوشی کے وقتوں میں انہیں مبارکباد نہ دے، مرے پیچھے ان کا نام لے تو دعائے رحمت نہ کرے۔ اللہ کے لیے ان سے عداوت اور اس میں ثوابِ عظیم کی امید رکھے۔ جب بدمذہب سامنے سے آتا ہو تو دوسری راہ سے چلا جائے۔

[15]نیچری زندیق ہیں، دشمنانِ دین ہیں، فاسق ہیں، [16]انہیں اسلام سے اصلاً لگاؤ نہیں، وہ سخت خبیث کافر مرتد ہیں۔ ان کی کلمہ گوئی اور نماز بہ قبلہ محض بے سود اور ان کی تاویلیں سراسر مردود۔ جو

ان کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ [۱۷] وہ دین سے نکل گئے نرے ملحد [۱۸] ہیں، دین وملّت سے یکسر خارج۔

رافضی [۱۹] زیاں کار ہیں۔ دین وسنت کے رافض وتارک ہیں۔ [۲۰] تبرّائی کے کفر میں اختلاف ہے اور ان میں جو بعض ضروریات دین کا منکر ہے جیسے ہمارے بلاد کے رافضی اور ان کا مجتہد وہ قطعاً کافر مرتد ہیں۔ [۲۱] رافضی دین سے خارج ہیں، نِرے ملحد [۲۲]، اسلام وملت سے باہر ہیں۔ عرش [۲۳] کے گرد ملائکہ کے جہان کے جہان آباد ہیں جو ان پر لعنت کررہے ہیں۔ [۲۴] جو ان میں تبرّا پر ثواب جانے یا اسے مباح ہی مانے وہ بالاجماع کافر ہے۔

[۲۵] وہابی فاجر ہیں۔ دین وسنت کے دشمن ہیں۔ یہ گمراہ [۲۶] فرقہ ہے۔ ان پر شیطان غالب آیا کہ ان کو ذکرِ خدا بھلایا۔ یہ شیطان کے گروہ ہیں، سن لو شیطان ہی کے گروہ زیاں کار ہیں جو ان میں امکانِ کذب مانتے ہیں اللہ عزوجل کو عیب لگاتے ہیں۔ جو ختمِ نبوت کے معنٰی آخر النبیین کے سوا گھڑتے ہیں، کافر و مرتد ہیں۔ [۲۷] وہابیہ دین سے باہر ہوئے، [۲۸] ملحد ہیں، اسلام ودین سے خارج ہیں۔

[۲۹] تفضیلیہ گمراہ ہیں، غیر مقلّدین گمراہ ہیں، بدعتی ہیں جہنمی ہیں، مخالفانِ اجماع ہیں، خدا کے مخذول ہیں، غضبِ الٰہی میں گرفتار ہیں، انہیں سنّی بتانا سخت گمراہی ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنا بشدت منع ہے۔ [۳۰] ائمہ کی تقلید اور ان کی اطاعت بحکم قرآن وحدیث واجب ہے۔ جو اماموں پر طعن کرے حدیث فرماتی ہے کہ وہ منافق ہے اگرچہ نماز، روزہ، حج، عمرہ، جہاد کرتا ہو۔

فصل دوم

ندوے کے مقصدِ اتحادواتفاق پر کیا حکم صادر فرمائے

فصلِ اول میں بدمذہبوں سے میل جول کا حال معلوم ہوچکا۔ اس مقصدِ مفسد کے متعلق جو تہدیدیں مفتیانِ کرام نے ارشاد فرمائیں وہ سن لیجیے: ان سے [۳۱] اتفاق اتحاد حرام ہے۔ حدیث سے ثابت کہ ان کے پاس بیٹھنا ان کے ساتھ کھانا پینا دلوں کو انہی کی طرح کردیتا اور لعنت الٰہی کا مستحق بناتا ہے۔ علما فرماتے ہیں ان کے پاس بیٹھنا انتہا درجے کی ہلاکی اور کمال زیاں کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ حدیث [۳۲] میں ہے ان کے ساتھ کھانا پینا، پاس بیٹھنا سب معصیت ہے۔ جو ایسا کرے گا عذاب دیا جائے گا اور بنی اسرائیل کی طرح ملعون ہوجائے گا۔ ان کی مجالست آیاتِ قرآنیہ سے منع ہے۔ پاس بیٹھنے والوں کے دل کالے ہوجاتے ہیں۔ قبولِ حق وخیر ورحمت کے قابل نہیں رہتے۔ حدیث میں ہے ساٹھ ہزار بدوں کے ساتھ چالیس ہزار اچھے ہلاک کیے گئے کہ یہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ [۳۳] جو ان سے محبت رکھے گا بحکمِ احادیثِ صحیحہ انہی کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ ائمہ فرماتے ہیں اس کے عمل حبط ہوجائیں گے، نورِ ایمان اس کے دل سے نکل جائے گا۔ یہ مقصدِ اتفاق واتحاد شیطانِ لعین کا مقصد ہے جس سے وہ کمزور مسلمانوں کو گمراہ کیا چاہتا ہے۔ اس میں تمام مسلمانوں کی خیانت ہے جو عذر اس مقصد پر ناظمِ ندوہ وغیرہ نے گھڑے سب مکرِ فاسدو فریبِ کاسد ہے۔ ان کے کبیرہ گناہوں سے یہ عذر بدتر ہے۔ [۳۴] واللہ یہ اتفاق واتحاد نہیں اللہ ورسول سے مخالفت ونفاق ہے۔

فصل سوم

ندوے نے بدمذہبوں کی تعظیم کی انہیں جلسۂ مذہبی کارکن بنایا۔

اس پر علمانے کیا ارشاد فرمایا:

فصلِ اول میں گزرا کہ ان کی توہین واجب اور تعظیم حرام ہے۔ خاص اس باب میں فرمایا [۳۵] یہ حرام ہے، دین میں گمراہی ہے، کمزور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اہلِ اسلام کو گمراہ بنانا ہے۔ [۳۶] حدیث میں ہے جو کسی بدمذہب پر سلام کرے یا بکشادہ پیشانی اس سے ملے یا اس کے ساتھ کسی ایسی بات سے پیش آئے جس سے اس کا دل خوش ہو، اس نے قرآنِ عظیم وشریعتِ محمدیہ ﷺ کی توہین کی۔ [۳۷] متعدد احادیث میں ہے جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد دی۔

فصل چہارم

بدمذہبوں کی تعریفیں جو ندوے میں چھپیں اس پر کیا حکم دیا

[۳۸] ندوے کا نیچریوں کو مسلمان بتانا مدائح دینیہ سے ان کی مدح کرنا کفر ہے۔ رافضیوں میں جو کافر ہیں ان کی یہ مدحیں کفر ہیں ورنہ سخت شنیع حد درجے کی قبیح اور بحکم حدیث موجبِ غضب الٰہی ہیں۔ ندوہ رافضیوں کی ان مدائح سے رافضی اور غیر مقلدوں کی ان تعریفوں سے صریح غیر مقلد ہے۔ مذہبِ ناپاک خوارج ومعتزلہ کے مطابق ایک مردود مقولے کی تعریف واستحسان سے ناظمِ ندوہ خسرانِ عظیم میں ہے۔ ناظم نے ایک مداحِ کفّار کو بزرگانِ اسلام میں گنا اور اس

کے کلماتِ کفریہ کی ستائش کی۔ یہ ناظم کا کلمۂ کفریہ ہے۔ ناظم نے بعض منکرانِ ختمِ نبوت کو حکیم امتِ محمد یہ ﷺ لکھا یہ مستلزم کفر وعذابِ شدید ہے۔

فصل پنجم

ندوے نے ردّ بدمذہباں کا انسداد کیا اسے خودکشی ونفسانیت قرار دیا اس پر سرکارِ مفتیانِ کرام سے کیا حکم لیا

[39] ردِ بدعت باجماعِ امت اہم فرائضِ دینیہ سے ہے۔ اس کے ترک کی طرف بلانے والے اجماعِ امت کے خارق ہیں، جماعتِ ملت کے مفارق ہیں، بدعت و اہلِ بدعت کے دوست ہیں، سنت و اہلِ سنت کے بدخواہ ہیں۔ فرض سے روکتے ہیں، حرام کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت کی طرف بلاتے ہیں۔ بحکم حدیث ایسوں پر خدا و ملائکہ و آدمیان سب کی لعنت ہے۔ ان کا فرض و نفل سب مردود ہے۔ یہ مذہب اہلِ سنّت کو ضرر پہنچانا ہے، [40] بدمذہبوں کا ردّ اور ان پر انکار، رد وانکارِ کفار سے زیادہ ضروری واہم ہے۔ [41] حدیث میں ہے ایک بستی کے اٹھارہ ہزار نیک لوگ جن کے اعمال صالحہ اعلیٰ درجے کے تھے صرف اس وجہ سے ہلاک کیے گئے کہ انہوں نے معاصی پر ردوکد چھوڑ دیا تھا۔ حدیث میں ہے کہ نیک لوگ اگر خاموشی اختیار کریں تو وہ بھی عذاب میں شریک ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے ایسے وقت علم کا ظاہر نہ کرنے والا منکرِ قرآن کی مانند ہے۔

فصل ششم

ندوے کے اقوال ضلالت پر جو بحوالۂ صفحہ اس کی کتابوں سے نقل کیے گئے علمائے کرام نے کیا حکم دیے؟

[42] ندوے کے اقوال جھوٹی گپیں ہیں، باطل باتیں ہیں، ان میں اللہ عزوجل پر افتراء ہے۔ ائمۂ دین پر طعن ہے۔ سنت وجماعت سے خروج ہے۔ حرامِ قطعی کا حکم دینا ہے۔ فرضِ عظیم کو حرام کرنا ہے۔ شرع مطہر سے ضد باندھنا ہے، مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہے۔ صریح ضلالت کی طرف بلانا ہے، ظلم ہے، نئی شریعت دل سے گھڑنا ہے، خارجیوں معتزلیوں کا مذہب ہے۔ عقائد اہلِ سنّت و آیات قرآنیہ کا انکار ہے، عقائدِ اسلامیہ پر سخت جرأتِ قبیحہ ہے، اللہ عزوجل سے لڑائی ہے، اس کے اولیاء سے دشمنی ہے، نبی ﷺ پر افتراء ہے، قرآنِ عظیم کی تفسیر اپنی رائے ناقص سے بنائی ہے، نیچریوں کی خبیث جھڑپ ان کے دل میں سمائی ہے، رفض ہے، غیر مقلدی ہے، خرقِ اجماع ہے، حُبِّ بدعت ہے، بُغضِ سنت ہے، لعنتِ الٰہی کی طرف دعوت ہے، اللہ و ملائکہ سے استحقاقِ لعنت ہے، اتباعِ مقصدِ شیطان ہے، انکارِ قرآن [43] ہے، اعانتِ [44] ہدمِ ایمان ہے۔

ان کے سب اقوال [45] کا حاصل یہ ہے کہ قیدِ مذہب اٹھادیں اور حق و باطل ملادیں اور سنت و بدعت اور اہلِ سنت واہلِ بدعت سب کو ایک بنادیں۔ ان اقوال میں سنت کی توہین ہے، بدعت کو سہل جاننا ہے، حق کی مذمّت ہے، باطل کی مدحت ہے، المو اسلام پر سخت اہانت کی طعن ہیں، گمراہ پاجیوں کی بڑی بڑی تعریفیں ہیں یہاں تک کہ بالیقین کفر والحاد کے اقوال ہیں۔ باقی احکام متعلقۂ اقوال فصل آئندہ میں ملاحظہ ہوں۔

فصل ہفتم

علمائے کرام نے حضرات اراکین ندوہ کے اقوال وافعال متعلقۂ ندوہ پر ان کی کیا کیا قدر افزائی فرمائی

ان میں جو کھلے بدمذہب تھے ان کا حال فصلِ اوّل سے ظاہر اور باقی تمام فصولِ سابقہ کا بھی حضراتِ اراکین ہی سے تعلق واضح کہ وہ انہیں کے اقوال وافعال کے جلوے تھے جن پر علمانے وہ حکم لکھے۔ ان [46] میں خاص جو اپنے آپ کو سنّی کہنے کا ادعا کرتے ہیں وہ بھی سفہاء جہال، خدا ناترس، علمِ دین سے بے بہرہ، صدارت پسند، شہرت طلب، دنیا پرست، بندۂ شکم تھے اور اب تو خاصے زہر در شہد ونفاق دردل وگندم نما جَو فروش، قیدِ مذہب اٹھانے والے، نیادین بنانے والے، اور انہیں تمام احکام فصلِ اول کے مستحق ہوگئے۔

حضرات اراکین والا تمکین سخت مکّار، مُضِلّ، کذّاب، مزوّر، ہالکین، مفسدین اہلِ باطل ہیں، [47] صریح گمراہی میں غیر مقلّدین کے شریک ہیں، [48] وہ کجی وکفر وضلالت والے ہیں، [49] ملحد، معاند، متمرد، دینِ اسلام سے خارج ہیں، [50] گمراہ بدعتی ہیں، [51] جاہل غبی ہیں، کیا ڈرتے نہیں کہ اللہ عزوجل اسلام پر غیرت فرما کر انہیں عذاب کے شکنجے میں لے، کیا اعتقاد نہیں رکھتے کہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اس کے حضور فضیحت ہوں گے، ان کا حال اس اونٹ کا سا ہے جو کنوئیں میں گرپڑا اب دُم پکڑ کر کھینچا جاتا ہے، وہ دشمنانِ دین

ہیں، اسلام سے یک لخت نکل گئے، وہ [۵۲] ضال مبتدع ہالِک ہیں، ان کے عقائد باطل ہیں، ان کے قواعد کج وعاطل ہیں، وہ ملحدین بد دین ہیں، مکار ہیں مفسدین ہیں، [۵۴] ان ندویوں گمراہوں کے حق میں اللہ عزوجل کا یہ قول صادق آتا ہے کہ ایک گروہ پر گمراہی ثابت ہو گئی، انہوں نے اللہ عزوجل کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست وحمایتی بنالیا اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد ان کی شوکت زائل فرمائے کہ زمانے کی گردن پر بار ہو رہی ہے۔ عظمتِ والا سبحانہ وتعالیٰ انہیں رسوا کرے، وہ اللہ تعالیٰ سے منکر و کافر ہو چکے، ان کی ساری کوشش دنیا میں کھپ گئی اور ہیں اس گھمنڈ میں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ ندوی [۵۵] فرقہ باطل واہی ہٹ دھرم ہے، دین سے خارج ہے، طائفۂ ندوہ باطل کا گروہ ہے، ملحدوں کی جماعت ہے، ملتِ اسلام سے باہر ہے۔

[۵۷] اے قلیل وذلیل لوگو، ہوائے نفس والو، تم خود بھی بہکے اور اَوروں کو بھی بہکاتے ہو، تمہارا حال اس مقال کے مصداق ہے جو عمدہ لوگوں نے کہا ہے کہ بعض لوگ روپے کے لئے آگ میں جلنا اور جنیو باندھنا پسند کرتے ہیں، رَئے کی محبت میں غے یعنی گمراہی پر مرتے ہیں [۵۸] ناظم کے نزدیک عقائدِ اہلِ سنّت علمِ دین سے خارج ہیں ان کا بتانا ہدایت ہی نہیں ان میں عوام جو چاہیں اعتقاد کرلیں کچھ پروا نہیں۔ ناظم نے خارجیوں معتزلیوں کا عقیدہ مانا، آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب کی۔ ناظم نے ایک بدعت کفریہ والے کو بزرگِ اسلام کہا دوسرے کو حکیم امت لکھا۔ یہ ناظم کے کلماتِ کفریہ ہیں۔ حضرت ناظم صاحب ہالک گمراہ ہیں، سنت و اہلِ سنّت کے بدخواہ ہیں، ضال مضل دھوکے باز فریبی، حرام کنندۂ فرضِ قطعی، محکومِ نفس وشیطان، مخالفِ شرع خائنِ موموناں، جناب ناظم صاحب آپے سے گزر کر اُڑ چلے، اور دینِ حق کی انتہا درجہ کی مخالفت پر تُلے۔

آروی کے دل سے عقائدِ اسلام کی گرہ کھل گئی، وہ بد دین ملحد زندیق ہے ضال مضل مردود احمق ہے، اس کا قول ملعون ہے، کوئی مسلمان اس کی طرح نہ بکے گا۔ اس نے نئی شریعت دل سے نکالی، اس نے اسلام کی رسّی اپنی گردن سے اتار ڈالی۔ اس نے ایک نا مسلمان گورنمنٹ کو رب العالمین سے برابر کیا۔ اس نے فرضِ اجماعی کو حرام ٹھیرادیا۔ جو کفر وہ امام ابو حنیفہ وامام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر لازم کرتا تھا خود اپنے منہ اپنے سر لیا۔ ناظم وآروی دونوں جھوٹے ہیں، دونوں نے ائمۂ دین کی توہین کی، دونوں شیطانی وسوسے میں ہیں، دونوں کا قول نجس ناپاک خبیث مردود گمراہی ہے۔ اللہ عزوجل پر بہتان ہے۔

ع ق دہلوی نے اہلِ سنّت کے عقائد رد کر دیے۔ وہ اپنے اقوال میں کھلا گمراہ حق پر ستم ولا سرکش متکبر سخت جاہل ہے، اس کا نور جاتا رہا، اس کا دل اندھا ہو گیا۔ وہ صریح کذّاب ہے۔ اس نے حضراتِ عالیہ صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مستحق امامت وجنّتی ہونا بھی قطعی نہ رکھا، بلکہ اس کے نزدیک کلام اللہ کا محفوظ وکامل ہونا بھی قطعی نہیں۔ اس نے دین وملت، اسلام وشریعت سب کی توہین کی، اس کا حکم لزومِ کفر تک پہنچ گیا۔

ع ہ انصاری گمراہ ہے، مفتری علی اللہ ہے۔ بد گوئے ائمہ ہے، خارج عن السنّہ ہے، فرضِ قطعی کا حرام کنندہ ہے، اس نے لعنتِ الٰہی کی طرف بلانے سے بھی سخت تر بات کہی۔ اہ غازی پوری نے فرضِ قطعی کو حرام کر دیا۔ وہ اور اس کے ساتھی جو اس غیر مقلد سے مذہب میں صلح کر کے مل گئے سب گمراہ و گمراہ گر ہیں۔ ناظم نے جسے ندوے کی پہلی برکت کہا وہ حقیقۃً ندوے کی پہلی نحوست ہے۔

محمد شاہ صدر دوم ندوہ وناظم و دہلوی و آری وانصاری سب غیر مقلّد ہیں، وہابیوں، لامذہبوں کے گُرگے میں۔ صریح گمراہی میں ان کے شریک ہیں، انہوں نے شرعِ مطہر سے ضِد باندھی اور مسلمانوں کو مضرت دی، کھلے ظالم گمراہی کی طرف بلانے والے ہیں۔ انہوں نے اجماعِ امت توڑا، جماعت کو چھوڑا، محبِّ بدعت ہیں، بدخواہِ سنت ہیں، مانع طاعت و آمر معصیت ہیں، داعیِ امت بسوئے لعنت ہیں۔

بالجملہ حضراتِ اراکین سب اہلِ سنّت سے خارج ہیں، ان سب پر اپنے عقائدِ ضالّہ وخیالاتِ باطلہ سے توبہ فرض ہے۔ توبہ نہ کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان سے کنارہ کش ہوں، ان سے دور رہیں۔ جو احکام ناظم و آروی وحقانی ومحمد شاہ وغیرھم خاص خاص رکنوں کے اقوال ضلالت پر ہیں وہ صرف انہی پر مقتصر نہیں بلکہ تمام اراکین جنہوں نے ان کی اجازت دی، انہیں پڑھوایا، انہیں چھپوایا یا شائع کرایا وہ سب انہیں احکامِ الحاد وضلال وافتراء بر خدا اور رسول ﷺ وعداوتِ حق واعانت باطل کے مورد ہیں۔ کفر پر رضا کفرِ صریح ہے

اور ہر قبیح بات پر اس کی مانند قبیح۔

فصل ہشتم

علماءِ کرام نے خود ندوہ شریفہ کے کیا کیا مناقب ارشاد فرمائے

جس قدر احکام ان سب فصول میں گزرے ظاہر ہے کہ وہ سب ندوے ہی کے واسطے "آخراے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست"، باقی بھی سن لیجیے۔ ندوہ [59]عموم فساد ہے، ہجومِ الحاد ہے، ہدایت کا رد، حق کا انسداد ہے، ہوا پرستی ہے فتنہ ہے، آتش بلا ہے، فسادوں کی انجمن ہے، مکروں کی سبھا ہے، بہرا فتنہ ہے، اندھی بلا ہے، تاریک اندھیری ہے، مجلسِ [60]ندوہ مذہبِ اہلِ سنّت وجماعت کی توہین کرتی ہے، اہلِ سنّت کی بدخواہ ہے، اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) ومومنین سب کی خائن ہے، حرام کراتی اور فرض سے بچاتی ہے، احکامِ الٰہیّہ سے ضد باندھتی ہے۔ اس کی شرکت بڑی آگ ہے۔ مال یا بدن سے اس کی اعانت گناہوں کا انبار ہے، ندوہ [61]باطل ہے، نری [62] ہوائے نفس و پیروی شیطان ہے۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس میں نہ جائیں۔

ظاہراً یہ انجمن کافروں کے مکرِ پنہاں سے قائم ہوئی جس پر اس کا نام ندوہ ہی دلیل ہے۔ گمان یہی ہوتا ہے کہ اس مجلس سے ان کی مراد اپنے انہی دوستوں کی سنتیں جگانا ہے (جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ندوہ بنایا تھا) کجی [63]ہے، بدعت ہے، دشمنانِ [64]دین کا مکر ہے۔ ٹیڑھے [65]چلنے والے فسادیوں کا جُل ہے۔ اس کی شرکت جائز نہیں۔ وہ ظالم ہیں، جو ان کی طرف جھکے گا اسے دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ ندوہ [66]غفلت کا پردہ ہے، ندویوں پر سخت افسوس ہے اس ایک گھونٹ چلو پر مگن ہیں، کیا سامری کا قصہ کہانی سمجھے ہیں، سامری وہ نہیں جو ہاتھ کے کنگن پاؤں کی چوڑی مانگے تانگے کی لیکر اس سے ایک بچھڑا بنائے۔ بلکہ پورا سامری وہ ہے جو لوگوں میں نام وقبول حاصل کرنے کو کہانیاں گائے اور مشتے الر رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کچھ حدیثیں لے کر احمقوں کو فریب سے رجھائے وہ جس نے لوگوں کے سنگار گہنا پاتا مال متاع لے کر اپنی گردن پر بوجھ لیے اور مانگ جانچ کے آرائش کے سامان اکٹھے کیے اور نمدے کی سی تہیں جما کر ملایا، اور اسے پرستش کا بُت بنایا، اس کا عیب نہیں دیکھتی مگر رفعت والی جان، اور اس کی مہمل بانگ نہیں سنتے مگر علم والے کان، جو یہودیوں کی طرح سیدھی راہ سے نہ پھرے، غرض [67]ندوے کے جلسے میں جانا حرام ہے مگر عالمِ دین کو جبکہ وہاں جا کر ان کی گمراہیوں کا رد کرے۔

فصلِ نہم

ندوے کے مقاصد واقوال وافعال کے باطل ومردود وضلال ہونے میں جو فتوے فاضلِ بریلوی جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا علمائے کرام عرب نے اس کی کیا کیا مدح و تحسین فرمائی

افضلِ [68]مصنفات ہے، مصنف نے خوب لکھا اور فائدہ بخشا، صحیح [69] جواب ہیں، اپنے باب میں بے نظیر، ان میں شک نہ لائے گا مگر منافق بے یقین، یا کوئی دشمن حق صواب سے کنارہ گزیں، یہ جواب قرآن و حدیث سے مستحکم کیے ہوئے ہیں، ملحدوں کے دلوں پر نیزوں کا کام کررہے ہیں۔ یہ معزز تصنیف ہے جسے مصنف نے جید ومفید لکھا، [70] صواب کے موافق، قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔ فائدہ لینے والے کو کافی ونافع، اور گمراہوں باغیوں کی جڑ بنیاد کی قامع، شریعتِ [71] مطہرہ کی یقینی دلیلوں کی جامع، [72] پُرزور جواب ہیں، [73]صحیح وصواب ہیں جس قدر فتوے ان مسائل میں لکھے گئے سب سے بہتر ہیں، علومِ مصنف کے استحکام پر دلیل ہیں، عجیب [74]رسالہ ہے، احادیث وارشاداتِ علماء سے چنا ہوا، کتاب [75]وسنّت سے مؤید، اللہ عزوجل کی رضا کا باعث، جس کے مضمون بھی کامل اور عبارت بھی کامل، ایسی تصنیف پر اکثر حفاظِ علوم کو قدرت نہیں، [76]حق وصواب ہے، موافقِ سنت وکتاب ہے، بات ملیح، اور زبان فصیح، اللہ تعالیٰ اس سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے۔ [77]قلم برداشتہ تحریر ہے اور مفید اور نافع، گمراہوں کی باطل باتوں کی دافع، ہم تو ہلال کا نور تلاش کررہے تھے یہ بے پردہ آفتاب نظر آیا، [78] کامل ہے اور نہایت نصیحت وصواب کو شامل، اس کی عبارت فضلِ مصنف پر دلیل ہے، کس قدر خوب وفیض بخش ہے۔ اسے تعجب کا جامہ تو اس نے پہنایا کہ مصنف بریلی میں مقیم اور تصنیف کو ہندوستان کی کچاہند اور دہقانوں کے توتلے پن سے صاف بچا لیا، اللہ تعالیٰ اس سے پڑھنے والوں اور طالبوں کو نفع دے، مصنف نے خوب لکھا اور بے عیب لکھا اور علم سکھایا اور فائدہ بخشا، اور مفسدوں کا مکر جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا، [79]سود مند وزود نوشتہ ہے کہ درستیِ دین کے لیے جمع کیا گیا، اور اس کی روش متین کے نشانوں کی طرف اس نے ارشاد کیا، فضل وکمال میں اس کے فائق ہونے پر

آنکھیں اور دل گواہی دے رہے ہیں، سب ناظم وناثر اس کی فصاحت کے حضور گردن جھکائے ہیں، آیات و احادیث کو جامع ہے، قدم بہ قدم ان کی پسندیدہ روش کا تابع ہے، نادر مثال ہے، فضل کی آیت ہے جس سے آگے کوئی بڑے فضل والا نہ بڑھے، خوب وجید ونافع ہے اور اہلِ کجی وفساد کے مکر کی دافع، [۸۰]اس کی عبارت معاندین بے دین کے دلوں میں محلوں کے برابر چنگاریوں سے شرارہ فشاں ہے، اور اس کی ورق گردانی میں جو کاغذ کی آواز نکلتی ہے وہ نصرتِ الٰہی کے ساتھ بال جنباں ہے۔ اللہ عزوجل زمانہ واہلِ زمانہ کو اس عجالے سے بہرہ مند کرے اور اس کے جوابوں کی خوبی سے اہلِ علم وارباب دانش کو فائدہ بخشے۔ [۸۱]درست جواب ہیں، اپنے باب میں لاجواب ہیں۔ سبقت لے جانے والے علم اور تعجب میں ڈالنے والے ذہن سے پیدا ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث ان کے مساعد ہیں۔ اصحابِ علم وارباب دانش ان کی صحت پر شاہد ہیں ان کے مطالعہ سے میری آنکھ ٹھنڈی اور سینہ کشادہ اور خاطر شگفتہ ہوئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس تحریر سے تمام بلاد میں اپنے عباد کو نفع بخشے۔ [۸۲]کامل جواب ہیں، باطل فرقوں کے رد ہیں۔ گویا وہ گوہر ہیں کہ شیریں لفظوں سے بنے۔ خدا کے عطیے ہیں زورِ بازو سے نہیں ملتے اللہ کے لیے ہے اس کلام کی خوبی کہ تمام وکمال کمال ہے۔ وہ جولانی ہے جس میں کہیں کوتاہ سخنی نظر نہ آئے۔ مصنف نے کلام کو وسعت وپاکیزگی دی اور جوابوں میں جودت وخوبی رکھی۔ [۸۳]اہلِ حق وکمال کو نافع اور گردن اہلِ زیغ وضلال کی قاطع ہیں۔ مصنف نے جید افادے کیے۔ تیغ برّاں ہے اس کی ہر دلیل پر دلیل قائم ہے کہ کسی کی گفتگو سے جنبش نہ کھائے۔ ہر سطر گویا تاج جواہر نگار کا کنارہ ہے۔ یہ جواب حق وباطل میں روشن فیصلہ کرنے والے ہیں اور نرم ودرشت کو چھان کر جدا کر دینے والے۔

فصل دہم

حضرات علمائے عرب نے اس رسالے کے صلے میں مصنفِ ممدوح دام بالفتوح کو کن کن مدائح جلیلہ سے یاد فرمایا

[۸۴]مذہب اہلِ سنت وجماعت کی نصرت دیاوری اور مذہب اہلِ زیغ و کفر وضلالت کی پردہ دری کی طرف داعی۔ [۸۵]فاضل رفیع القدر، محکم قدم، [۸۶]سردار فاضل، علامۂ کامل، اس تحریر میں تمام علمائے اسلام کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا۔ [۸۷]مصنف کی خوبی اللہ کے لیے ہے کس قدر حاذق اور کتنا خوبیوں والا ہے۔ [۸۸]عالم علامہ ہے۔ فاضل فہامہ ہے۔ راسخ العلم ہے۔ عمائد میں ایسا ہے جیسے آدمی کی بدن میں آنکھ، [۸۹]بے نظیر علامہ ہے۔ بلند ہمت، صاحبِ مجد ہے۔ اللہ کے لیے ہے اس کی نکوئی۔ [۹۰]کثیر العلم، عزیز الفہم، تیز ذہن، علوم کا کمال ماہر، علوم کو حسن دینے والا، روشن خاطر ہے، [۹۱]عالم علامہ، عمدگان اخیار کا پیشوا ہے، اس کا قصد صرف مسلمانوں کی خیر خواہی اور انہیں راہ ہدایت کا دکھانا ہے۔ [۹۳]بڑے علم والا فاضل ہے تمام محققین کا جس پر اعتماد ہے، اہلِ علم ویقین میں انتخاب ہے۔ میں وہ زبان نہیں پاتا جس سے اس کی تعریف کروں اور مجھ جیسا ایسے عالم کامل کی کہاں مدح کر سکے۔ ثریا تک ہاتھ کیونکر پہنچے، [۹۴]عالم علامہ، جلیل مشہور فاضل، پیشوائے اخیار ہے، [۹۵]عالم علامہ، جرِ فہامہ، [۹۶]پرہیز گار ستھرا، عالم عامل، فاضل کامل، ادیب عاقل، حسب نسب والا، تمام علوم منطوق ومفہوم کا جامع، شریعت روشن کا زندہ کرنے والا، طریقتِ پسندیدہ کو قوت دینے والا، سعید فرشتہ، یکتا آسمان، چراغِ زماں، عالمِ کثیر الفہم۔

فصل یازدہم

علمائے کرام عرب نے مصنف ممدوح کو کن کن دعاؤں سے شاد فرمایا

[۹۷]اللہ تعالیٰ اسے اسلام ومسلمین کی طرف سے بہتر جزا دے اور اس کی کوشش قبول فرمائے اور اس کی عزت، اس کا جمال، اس کا کمال دنیا و آخرت میں ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین۔ [۹۸]اللہ تعالیٰ اس کے امثال زیادہ کرے اور اس کا انجام اچھا فرمائے اور ہمارا اور اس کا خاتمہ جنت و رضائے الٰہی پر کرے۔ [۹۹]اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان ہو، اور ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کے گروہ میں اٹھائے۔ اللہ اسے اس کام پر نیک جزا دے۔ اور اس کے فعل سے سید المرسلین ﷺ کی آنکھ ٹھنڈی کرے۔ [۱۰۰]مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ اس کی درازی عمر سے مسلمانوں کو بہرہ مند کرے اور اسے امتِ مرحومہ کی طرف سے افضل جزا دے۔ [۱۰۱]اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں ہماری اور سب مسلمانوں کی طرف سے بہتر جزا عطا کرے اور ہمیں اور سب اہلِ اسلام کو اس کے علوم سے نفع بخشے جب تک سورج چمکیں اور ستارے طلوع کریں۔ [۱۰۲]اللہ تعالیٰ ہر مقام احمد ہر منصب ستودہ تر کو پہنچائے، اور اپنی سب میں بہتر جزا اسے عطا فرمائے اور دینِ متین کی حاجتوں کے

وقت کام آنے کے واسطے اسے ذخیرہ بنائے، اور مدتہا مدت تک اس کے سے لوگ اہلِ سنت میں بکثرت پیدا کرے۔ آمین۔

[۱۰۳] اللہ عزوجل سب سے بلند تر فردوس کے غرفوں میں اپنے پیارے انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سے بلند رسائی دے۔ ایسا ہی کرائے پروردگار سارے جہاں کے، [۱۰۴] اللہ عزوجل اسے سب مسلمانوں کی طرف سے بہتر جزا دے۔ اور اسلام پر سے اس کے دشمنوں کے حملے دور کرنے کو ہمیشہ اسے قائم رکھے۔ [۱۰۵] اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اسے ہر آفت سے بچائے اور ہمیں اور اس کو ثوابِ عظیم عطا فرمائے۔ [۱۰۶] اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور اس کو مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفاعت روزی کرے۔ اور اسے ہماری طرف سے سب میں بہتر جزا دے اور اسے حاسدوں اور دشمنوں کے داؤ سے محفوظ رکھے۔ اور اسے اس کی مرادوں اور امیدوں کی حد تک عطا کرے اور اسے عزت و رضا کا خلعت پہنائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور اس کی کوششیں قبول فرمائے۔ اور ہمارے اور اس کے عمل مقبول کرے۔ اور ہم سب کو اپنی وسیع رحمت سے ڈھانپ لے۔ اور ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ہم سب کا دستگیر و شفیع کرے۔ اور ہم سب کو اخلاص کے خلعت پہنائے۔ اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خالص امتی کرے اور ان کے گردہ میں اٹھائے۔۔۔ اور ان کی محبت پر ہماری روحیں قبض فرمائے اور ہمیں ان کی ملت اور ان کی شریعت سے خلاف نہ کرے اور دونوں جہان میں مقاصد و مرادات کو پہنچائے اور حال انجام اچھے کرے۔ [۱۰۷] اللہ تعالیٰ اسے تمام شرورِ زمانہ سے بچائے اور اسلام و مسلمین کی طرف سے جزا دے اور اسے اس کی آرزوؤں کو پہنچائے اور اسے محکم علم اور ہر بات میں قولِ فیصل کہنا عطا فرمائے۔ [۱۰۸] اللہ تعالیٰ اسے سب مسلمانوں کی طرف سے خوب تر جزا کرامت کرے، اور ہمیں اور اسے سید الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفاعت روزی فرمائے۔ [۱۰۹] اللہ عزوجل ہمیں اس کی درازی عمر سے بہرہ یاب فرمائے، اور اس کی برکتوں کا فیض پہنچائے۔ اسے اسلام و مسلمین کی طرف سے جزا دے کہ تمام علمائے باعمل کی طرف سے اس نے ردِّ ندوہ کا فرضِ کفایہ ادا کردیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اور اسے روزِ قیامت سید الشافعین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفاعت روزی کرے۔ [۱۱۰] اللہ تعالیٰ اہلِ سنّت میں اس کے امثال بکثرت پیدا کرے اور اس کا انجام سعید فرمائے اور اسے ہماری اور تمام اہلِ اسلام کی طرف سے بہتر جزا دے، اور ہمیں اور انہیں سب کو سیدِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زیرِ نشان حشر بخشے۔

آمین۔ آمین۔ آمین

حوالہ جات

۱؎ مقدمۃ الفتوے۔ ۱۲۔
۲؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۳؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۴؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۵؎ فتاوئے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۶؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۷؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۸؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۹؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۱۰؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۱۱؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۱۲؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۱۳؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۱۴؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۱۵؎ مقدمۃ الفتویٰ۔ ۱۲۔
۱۶؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۱۷؎ تصدیق دوم۔ ۱۲۔
۱۸؎ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔
۱۹؎ مقدمۃ الفتویٰ۔ ۱۲۔
۲۰؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۲۱؎ تصدیق دوم۔ ۱۲۔
۲۲؎ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔
۲۳؎ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔
۲۴؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۲۵؎ مقدمۃ الفتویٰ۔ ۱۲۔
۲۶؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۲۷؎ تصدیق دوم۔ ۱۲۔
۲۸؎ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔
۲۹؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۳۰؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۳۱؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۳۲؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۳۳؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۳۴؎ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔
۳۵؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۳۶؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۳۷؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۳۸؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۳۹؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۴۰؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۴۱؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۴۲؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۴۳؎ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔
۴۴؎ فتاوائے حرمین طیبین۔ ۱۲۔
۴۵؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۴۶؎ مقدمۃ الفتوے۔ ۱۲۔
۴۷؎ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۴۸؎ تصدیق اول۔ ۱۲۔
۴۹؎ تصدیق چہارم۔ ۱۲۔
۵۰؎ تصدیق ہفتم۔ ۱۲۔
۵۱؎ تصدیق ہشتم۔ ۱۲۔
۵۲؎ تصدیق دہم۔ ۱۲۔

(بقیہ صفحہ نمبر 36 پر ملاحظہ فرمائے)

رَضا یا رِضا؟ ایک لغوی اور علمی بحث

مولانا محمد جلال الدین قادری

محترم قارئین آپ نے مولانا محمد جلال الدین قادری کی تحقیق ملاحظہ فرمائی۔ اس تحقیق کے تسلسل میں اب ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی ایک تحریر پیشِ خدمت ہے جو ان کے خط بنام اقبال احمد فاروقی صاحب سے ماخوذ ہے اور "مکتوباتِ مسعودی" طبع ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے صفحات ۵۱ تا ۵۳ پر موجود ہے۔ عبید

مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی کا نامِ نامی واسم گرامی دنیائے علم وفضل میں ایک سندِ جلیل کا درجہ رکھتا ہے۔ محققین، مصنّفین، دانشور، ادبا اور شعراء جوں جوں آپ کے علمی ورثے سے حصہ پاتے ہیں، مسرت وحیرت پاتے ہیں۔ آپ کا علمی وتحقیقی ورثہ صرف ایک فن میں نہیں اور نہ ہی ایک علاقہ آپ سے فیض پاسکتا ہے، بلکہ آپ کی تحقیقات علم وفضل کے ہر فن میں مجددانہ ہیں اور آپ کا وجودِ مسعود برصغیر اور عرب وعجم سب کے لیے سرمایۂ علم وفضل ہے۔ برصغیر اور عرب وعجم کا ہر محقق جب بھی آپ کے علوم وفنون کی طرف توجہ کرتا ہے اسے نئے نئے افق نظر آتے ہیں اور اس وقت پوری دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا محقق یہ دعویٰ نہیں کرپاتا کہ اس نے امام احمد رضا محدث بریلوی کے تمام علوم وفنون پر دسترس حاصل کرلی۔ قدیم علمی اداروں اور دنیا کی تمام جدید جامعات میں امام احمد رضا قدس سرہ پر بے شمار جہات سے تحقیق ہوچکی ہے اور ہورہی ہے، مگر آپ کی ذات آج بھی محققین کے لیے ایک چیلنج ہے۔

اس وقت جو بات تحقیق طلب ہے اور توجہ کی مستحق ہے۔ وہ یہ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ النوری کا نام نامی "رِضا" کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ہے یا "رَضا" کے فتحہ (زبر) کے ساتھ؟ چند سال قبل تک امام احمد رضا قدس سرہ النوری پر تحقیقی کام کرنے والے ادارے "مرکزی مجلس رضا لاہور" کی مطبوعات میں موصوف کا ذکر "رِضا" کے کسرہ کے ساتھ ہوتا تھا۔ سرمایۂ اہل سنت حکیم الحاج محمد موسیٰ امرتسری ضیائی مدظلم الاقدس کے زیرِ نگرانی اس اشاعتی ادارے نے محققین کو توجہ دلائی کہ "رِضا" کے کسرہ (زیر) کے ساتھ امام موصوف کا نامِ نامی صحیح ہے۔ اس کی اتباع میں دیگر علمی وتحقیقاتی ادارے بھی "رِضا" کو را کے کسرہ (زیر) کے ساتھ لکھتے رہے۔ چنانچہ تمام محققین محدث بریلوی کے نام کو رِضا کے کسرہ کے ساتھ لکھتے اور پڑھتے رہے۔ اس سلسلے میں ان کے سامنے چند قابلِ ذکر دلائل تھے۔

رِضا پر دلائل

(۱) لغت میں رِضا کا کسرہ ہی درج ہے۔ اگرچہ بعض کتبِ لغت میں رَضا کا فتحہ (زبر) بھی درج ہے مگر اس کے معنٰی یہاں مناسب نہیں۔ (الف) "صراح" میں امام النحو ابو الفضل محمد بن خالد جمال قریشی نے لکھا ہے۔ "رضی" بالکسر مصدر محض؛ است الاسم الرضاء بالمد رضایہ؛ کسرہ خوشنودی وبفتح ومد خوشنود شدن" (صراح، ص۵۶۱) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ رضا کسرہ کے ساتھ اور الف مقصورہ کے ساتھ خوشنودی کے معنوں میں ہے اور یہ مصدر ہے۔ (ب) "تاج العروس" میں امام النحو والادب علامہ محمد مرتضٰی زبیدی نے لکھا: "رضا بالکسر مقصور امصدر محض واما بالمد فھو اسم عن الاخفش او مصدر ---- رجل رضا بالکسر والقصر من قوم رضا فنعان---- وصف بالمصدر الذی بمعنی المفعول کما وصف بالمصدر الذی فی معنی الفاعل فی عدل وخصم---- الرضی کغنی الضامن---- وایضا المحب---- والرضی لقب الامام بن الحسن علی بن موسیٰ بن جعفر بن حسن بن علی بن ابی طالب۔ (تاج العروس، ج، ا، ص، ۱۰۰، ۱۰۱) خلاصۂ عبارت یہ ہے۔ رِضا۔ را کے کسرہ اور آخر میں الف مقصورہ کے ساتھ مصدر محض ہے۔--- رِضا۔ را کے کسرہ اور آخر میں الف ممدودہ کے ساتھ اسم ہے یا مصدر۔ مثال میں کہا جاتا ہے کہ "**رجل رضا**" (را کے کسرہ اور الف مقصورہ کے ساتھ) پسندیدہ شخص، اس مثال میں مصدر رضا مفعول (مرضی) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ شخص جس پر خوشنودی کا اظہار کیا گیا ہو۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کے مصدر کو اسم فاعل کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے **رجل عدل یا رجل خصم** (عادل شخص یا جھگڑالو آدمی)۔ نیز الرضا، غنی کے وزن پر (فاکلمہ کے کسرے کے ساتھ) ضامن کے

معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔۔۔ نیز اس کا ایک معنیٰ محبّ بھی ہے۔ شخصیات میں امام موسیٰ کاظم رِضا کا لقب بھی کسرۂ را کے ساتھ ہے۔ (ج) "منجد" اور "مصباح اللغات" میں ہے۔ الرضاء۔ خوشنودی۔ رجل رضی۔ پسندیدہ مرد، چونکہ یہ مصدر (رضی) بمعنی مفعول ہے، اس لیے مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر و مونث سب کے لیے ہے۔ (د) "غیاث اللغات" میں ہے۔ "رضا۔ بکسر خوشنودی و بفتح و مد خوشنود شدن۔ در منتخب بہ معنی بفتح نوشتہ۔ وصاحب کشاف و صراح و مزیل الاغلاط وابن حاج معنیٰ اول بکسر نوشتہ اند"

یعنی رضا میں را کے کسرہ کے ساتھ کا معنیٰ خوشنودی ہے اور را کے فتحہ اور آخر میں الف ممدودہ کے ساتھ (رضا) کا معنی خوش ہونا۔ "منتخب" میں دونوں معنوں کو را کے فتحہ کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ نیز کشاف، صراح، مزیل الاغلاط و ابن حاج نے اول الذکر معنیٰ (خوشنودی) کو کسرہ را کے ساتھ (رِضا) بیان کیا ہے۔ (ہ) "فرہنگ عامرہ" میں محمد عبداللہ خویشگی نے لکھا: "رِضا۔ خوشنودی رَضا۔ خوشنود ہونا"

(۲) لغوی بحث کے علاوہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے اپنے نام نامی کو رِضا (را کے کسرہ کے ساتھ) لکھا اور پڑھا۔ اس وقت محدث بریلوی قدس سرہ کا اپنے قلمِ مبارک سے لکھا ہوا "شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ" کا عکسِ جلی پیش نظر ہے۔ امام احمد رضا نے اسے مارہرہ مقدسہ میں اپنے شیخِ طریقت کے آستانے میں بیٹھ کر ۲۱ر محرم الحرام ۱۳۰۶ھ / ستمبر ۱۸۸۸ء کو لکھا: "احمد رِضا" اسی شجرہ مبارکہ ملقب بتاریخی "زهرالصلاة من شجرة الائمة الهداة" میں اپنے شیخِ طریقت امام موسیٰ رِضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام نامی بھی اعراب کے ساتھ لکھا۔ "رِضا"۔ "زہر الصلاۃ" کی اس قلمی تحریر کو حضور سید مصطفیٰ حیدر حسن قادری برکاتی مارہروی کے توسط سے ماہنامہ "المیزان" بمبئی نے اپنے "امام احمد رضا نمبر" میں نیز شرکت حنفیہ، لاہور نے اپنی مطبوعہ کتاب "انوار رضا" میں درج کیا ہے۔

(۳) ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی نے اپنی تصانیف اور تحقیقی مقالہ جات میں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ النوازی کا نام را کے کسرہ کے ساتھ (رِضا) لکھا۔ اسی سلسلے میں آپ کا انگریزی زبان میں مقالہ NEGLECTED GENIUS OF THE EAST خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اس میں آپ نے (رِضا) کے انگریزی حروف کے یوں ہجے لکھے ہیں: AHMAD RDZA KHAN گویا موصوف الذکر کے نزدیک رِضا کسرہ کے ساتھ صحیح ہے۔

(۴) مرکزی مجلس رضا، لاہور کے سالانہ اجلاس میں ملک بھر اور بیرونی دنیا کے عظیم سکالرز تشریف لاتے رہے۔ ان کے علمی و تحقیقی مقالہ جات اور تقاریر، محققین کے لیے ایک عظیم راہنما اصول فراہم کرتے، علمی مذاکرے قائم ہوتے جن میں تحقیقی گفتگو سے مسائل طے ہوتے۔ انہی مذاکرات میں ایک مذاکرہ مولانا تقدس علی رضوی بریلوی (شیخ الجامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ سندھ) علیہ الرحمۃ اور حکیمِ اہلِ سنّت الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے درمیان لفظ "رضا" کے تلفظ کے بارے میں ہوا۔ مولانا تقدس علی بریلوی علیہ الرحمۃ خاندانِ امام احمد رضا کے فرد ہونے کے ساتھ عظیم محقق اور ماہر مدرس تھے۔ آپ نے رِضا کے تلفظ کو را کے کسرہ کے ساتھ (رضا) صحیح بتایا۔ ان کا یہ ارشاد علمی سند ہونے کے ساتھ ساتھ خاندانِ امام احمد رضا قدس سرہ کے گھر کی گواہی کا درجہ رکھتا ہے۔ موصوف امام احمد رضا محدث بریلوی کے بلاواسطہ مرید اور تلمیذ ہیں۔

(۵) امام احمد رضا کا نام نامی واسمِ گرامی معروف حدیثِ قدسی "كلهم يطلبون رضائي و انا اطلب رضاك يا محمد" کا عکسِ جمیل ہے۔ شجرۂ قادریہ منظومہ بزبان اردو میں آپ نے اس طرف لطیف اشارہ فرمایا ہے

کر عطا احمد، رضائے احمدِ مرسل مجھے
میرے مولیٰ حضرت احمد رضا کے واسطے

حدیثِ مبارک میں رِضا بالکسر ہے۔ اس مناسبت سے امام احمد رضا کا نام بھی را کے کسرہ کے ساتھ صحیح ہونا چاہیے۔

(۶) امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے دوسرے سفر حج و زیارتِ مدینۂ منورہ کے موقعہ پر "حرمین شریفین" کے اجلہ علمائے کرام کو ان کی استدعا پر اپنی مرویات اور تصانیف کی سندیں عطا فرمائیں۔ طلبِ اجازت میں جب علمائے کرام کا اصرار بڑھا، بارہا آپ کے سامنے حرمین طیبین کا ادب و احترام اور علما کا اعزاز و اکرام حائل ہوتا رہا۔ بالآ خر آپ نے اجازت دی لیکن علوِ مرتبت کے باوجود آپ کا انکسار ملاحظہ ہو۔ شیخ الحرمین حضرت سید صالح کمال مفتیِ احناف، مکۂ معظّمہ کی سندِ

اجازت میں امام احمد رضا نے اپنے نام رضا کے جز کو کس خوبی سے استعمال فرمایا۔

"فهمت الامران اسمى رضا وصرت عينى فانت عين الرضا:

وعين الرضا عن كل عيب كليلة

فتحسب مثلى صالحا لكمال

ومابى صلاح للكمال كمالها

كمالا قذى فى صالح بن كمال"

(الاجازات المتينه لعلماء بكة والمدينه)

(ترجمہ اشعار) "ہاں اصل بات معلوم ہوگئی کہ میرا نام "رضا" ہے اور آپ میری آنکھ ہو جانے کی وجہ سے "عین الرضا" ہوئے اور عین الرضا عیب نہیں دیکھ سکتی۔ بنابریں آپ نے مجھے (عیب سے دور) کمال کا صالح سمجھ لیا۔ حالانکہ عین الرضا کی طرح ہوں مجھ میں کمال کی صلاحیت نہیں۔ عین الرضا (عیب بینی سے) اس طرح پاک ہے جس طرح صالح بن کمال عیبوں کے خس و خاشاک سے۔" ان اشعار میں امام احمد رضا نے رضا کو خوشنودی کے معنوں میں استعمال کیا اور خوشنودی کے لیے رِضا بالکسر ہی صحیح ہے۔

اس کے برعکس ایک عرصے سے بعض حضرات نے امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ النوری کے اسمِ گرامی کو را کے فتحہ (زبر) کے ساتھ (رَضا) لکھنا شروع کیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مفتی محمد اعظم صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی کا اسمِ گرامی سرِ فہرست ہے۔ حضرت مولانا موصوف مدظلہ العالی نے اس امر کے لیے ایک مضمون بھی لکھا ہے۔ جو ان کے موقر جریدہ سہ ماہی "دامنِ مصطفی بریلی" کے مفتی اعظم نمبر حصہ اول (مئی تا اکتوبر ۱۹۹۰ء) میں شائع ہوا۔ نام "رَضا" کی تحقیق میں آپ نے جو دلائل رضا (فتحہ کے ساتھ) کے لیے دیے، ان کا خلاصہ یوں ہے۔

رَضا پر دلائل

(۱) جو لوگ رَضا کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ سلسلۂ رَضویہ کے شجرے میں کئی جگہ رَضا را کے زبر کے ساتھ آیا ہے، اس لیے احمد رَضا صحیح ہے۔

(۲) "المعجم البسیط" اور "منتخب اللغات" میں ہے: رَضا۔ مصدر ہے۔ خوشنودی کے معنوں میں اور حضرت موسیٰ رضا کاظم کا نام بھی اسی طرح ہے۔

(۳) ایک مجلس میں خلفِ اصغر و خلیفۂ امام احمد رضا، حضرت مفتی محمد مصطفیٰ رضا قدس سرہما سے عرض کیا گیا کہ حضور اعلیٰ حضرت کا اسمِ گرامی "احمد رِضا" ہے یا "احمد رَضا"؟ تو حضرت نے فرمایا "احمد رَضا" نام ہے۔ پھر اسی مجلس میں دوسرا سوال حاضر کیا گیا کہ حضور اعلیٰ حضرت آپ کو مصطفیٰ رَضا کہہ کر یاد فرماتے یا مصطفیٰ رِضا؟ فرمایا کہ "حضور اعلیٰ حضرت مجھ کو زیادہ تر مصطفیٰ میاں کہہ کر یاد کر لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی مصطفیٰ رَضا بھی فرمایا کرتے تھے۔" تیسرا سوال عرض کیا گیا کہ "حضور اعلیٰ حضرت کا نام احمد رضا ہے اور آپ کا مصطفیٰ رضا؟" فرمایا "ہاں"۔ اسی سلسلے میں آخری سوال حاضر کیا گیا کہ نام تو رضا ہے مگر لغت میں رِضا، رَضا دونوں صحیح ہیں۔ تو حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: "ہاں لغت میں دونوں (طرح) آیا ہے۔" اس علمی مذاکرے سے حضرت مولانا مفتی محمد اعظم، بریلوی نے استدلال فرمایا کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہ کا نامِ نامی احمد رَضا (را کے فتحہ کے ساتھ) صحیح ہے۔ علاوہ ازیں برصغیر میں شائع ہونے والی بعض کتب میں امام احمد رَضا (فتحہ کے ساتھ) لکھا جاتا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر ایک عام قاری پریشان ہو جاتا ہے کہ اس کے ممدوح اور دنیائے علم و فضل کے عظیم محسن کا اسمِ گرامی "احمد رِضا" ہے یا "احمد رَضا"؟ محققین، علما و مشائخ اور بالخصوص متوسلین سلسلۂ عالیہ و خانوادۂ رضویہ کی خدمت میں اپیل ہے کہ وہ طے فرمائیں کہ محدثِ بریلوی کے اسمِ گرامی کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ دونوں طرف سے دلائل موجود ہیں۔ ان میں ایک کو ترجیح دینا ہوگی۔

[پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد تحریر فرماتے ہیں: محترم مولانا محمد جلال الدین قادری، زید عنایۃ، کا مقالہ بھی نظر نواز ہوا۔ ماشاء اللہ لفظ "رضا" کی خوب تحقیق فرمائی ہے اور دونوں پہلوؤں کو اجاگر کر دیا ہے اور فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے۔ فقیر فیصلہ تو نہیں کرتا البتہ چند معروضات پیش کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہ الجھن قدرے کم ہو جائے۔ زبان کے معاملے میں اہلِ زبان بڑے اختیارات رکھتے ہیں۔ جب وہ کسی دوسری زبان کے الفاظ اپنی زبان میں قبول کرتے ہیں تو۔۔۔ (۱)۔ کبھی تلفظ بدل دیتے ہیں، (۲)۔ کبھی معنیٰ بدل دیتے ہیں، (۳)۔ کبھی تلفظ اور معنیٰ دونوں بدلتے ہیں، (۴)۔ کبھی اصل صورت پر باقی رکھتے ہیں۔ اہلِ زبان کے اس اختیار کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

جس طرح انسان، ہجرت کرتے ہیں، اسی طرح الفاظ بھی ہجرت کرتے ہیں اور جس طرح انسان جہاں جاتے ہیں وہاں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، اسی طرح الفاظ بھی جہاں جاتے ہیں وہاں کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں اور کبھی اپنا رنگ بھی باقی رکھتے ہیں۔ اردو زبان میں بیسیوں زبانوں کے الفاظ مستعمل ہیں۔ کچھ اپنی اصل صورت میں ہیں اور کچھ بدلی ہوئی صورتوں میں۔ قرآنِ کریم میں بھی دوسری بہت سی زبانوں کے الفاظ ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں ایسے الفاظ پر بحث کی ہے۔

اردو میں لفظ ''رَضا'' راء کے فتح کے ساتھ رائج ہے۔ اگر اس کو اس لیے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے کہ عربی میں ایسا ہی ہے تو پھر ''ض'' کے تلفظ کا مسئلہ سامنے آئے گا۔ جو نہایت اہم ہے اور عام اردو داں کے لیے اس کا تلفظ ممکن نہیں۔ وہ ''رضا'' کو ''رزا'' یا ''رذا'' یا ''رظا'' پڑھتا ہے جو قطعاً عربی تلفظ نہیں۔

انگریزی میں دیسی قارئین کے لیے ''رضا'' RAZA ہی لکھا جاتا ہے۔ البتہ ولایتی قارئین کے لیے ''رضا'' RIDA لکھا جاتا ہے۔ بہر حال مستشرقین نے ''ض'' کے لیے D، ''ز'' کے لیے Z، ''ذ'' کے لیے dh اور ''ظ'' کے لیے Z متعین کیے ہیں۔ اگر اس کے خلاف لکھا گیا تو ان کے لیے عربی الفاظ یا عبارات کا سمجھنا ناممکن ہوگا۔ اس لیے ولایتی فضلا کے لیے ''رِضا'' RIDA ہی لکھا جاتا ہے۔ فقیر نے امام احمد رضا پر اپنے انگریزی مقالے میں یہی ہجا اختیار کی ہے۔ اسی طرح ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ کے پروفیسر ڈاکٹر حبیب الحق ندوی نے پاک و ہند میں احیاءِ اسلام کی تحریکوں سے متعلق اپنے تحقیقی مقالے میں یہی ہجا اختیار کی ہے۔ مگر ڈاکٹر اوشا سانیال جنھوں نے امام احمد رضا اور علماءِ اہلِ سنت پر کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ سے ڈاکٹریٹ کیا ہے، اپنے مقالے میں RIZA لکھا ہے جس کا تلفظ ''رِزا'' ہوگا، جو ولایتی فضلا کے لیے صحیح نہیں۔ غالباً یہ فرق اس لیے بھی ہے کہ ڈاکٹر حبیب الحق ندوی عربی کے فاضل ہیں اور ڈاکٹر اوشا سانیال نے ایک دو سال عربی پڑھی ہے۔

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو میں لفظ ''رضا'' کا وہی تلفظ ہونا چاہیے جو اہلِ زبان نے اختیار کیا ہے، البتہ عربی میں وہی تلفظ ہوگا جو ہے اور انگریزی میں دیسی اور ولایتی قارئین کے لیے دو ہجا استعمال کی جاسکتی ہیں جیسا کہ رائج ہیں۔ دیسی قاری ''رَضا'' سے مانوس ہے اور ولایتی قاری ''رِضا'' سے۔ (مکتوب محررہ، ۱۱/اپریل ۱۹۹۳ء، از کراچی)]

بقیہ صفحہ نمبر 32 سے ملحق

۵۳۔ تصدیق یازدہم۔ ۱۲۔ ۵۴۔ تصدیق دوازدہم۔ ۱۲۔
۵۵۔ تصدیق سیزدہم۔ ۵۶۔ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔
۵۷۔ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔ ۵۸۔ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۵۹۔ مقدمۃ الفتوے۔ ۱۲۔ ۶۰۔ فتاوائے مکہ معظمہ۔ ۱۲۔
۶۱۔ تصدیق دوم۔ ۱۲۔ ۶۲۔ تصدیق ہشتم۔ ۱۲۔
۶۳۔ تصدیق دہم۔ ۱۲۔ ۶۴۔ تصدیق یازدہم۔ ۱۲۔
۶۵۔ تصدیق دوازدہم۔ ۱۲۔ ۶۶۔ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔
۶۷۔ فتاوائے مدینہ طیبہ۔ ۱۲۔ ۶۸۔ تصدیق اول۔ ۱۲۔
۶۹۔ تصدیق دوم۔ ۱۲۔ ۷۰۔ تصدیق سوم۔ ۱۲۔
۷۱۔ تصدیق چہارم۔ ۱۲۔ ۷۲۔ تصدیق پنجم۔ ۱۲۔
۷۳۔ تصدیق ششم۔ ۱۲۔ ۷۴۔ تصدیق ہفتم۔ ۱۲۔
۷۵۔ تصدیق ہشتم۔ ۱۲۔ ۷۶۔ تصدیق نہم۔ ۱۲۔
۷۷۔ تصدیق دہم۔ ۱۲۔ ۷۸۔ تصدیق یازدہم۔ ۱۲۔
۷۹۔ تصدیق یازدہم۔ ۱۲۔ ۸۰۔ تصدیق سیزدہم۔ ۱۲۔
۸۱۔ تصدیق چہاردہم۔ ۱۲۔ ۸۲۔ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔
۸۳۔ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔ ۸۴۔ تصدیق اول۔ ۱۲۔
۸۵۔ تصدیق دوم۔ ۱۲۔ ۸۶۔ تصدیق سوم۔ ۱۲۔
۸۷۔ تصدیق چہارم۔ ۱۲۔ ۸۸۔ تصدیق ششم۔ ۱۲۔
۸۹۔ تصدیق ہفتم۔ ۱۲۔ ۹۰۔ تصدیق ہشتم۔ ۱۲۔
۹۱۔ تصدیق دہم۔ ۱۲۔ ۹۲۔ تصدیق یازدہم۔ ۱۲۔
۹۳۔ تصدیق دوازدہم۔ ۱۲۔ ۹۴۔ تصدیق سیزدہم۔ ۱۲۔
۹۵۔ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔ ۹۶۔ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔
۹۷۔ تصدیق اوّل۔ ۱۲۔ ۹۸۔ تصدیق دوم۔ ۱۲۔
۹۹۔ تصدیق سوم۔ ۱۲۔ ۱۰۰۔ تصدیق چہارم۔ ۱۲۔
۱۰۱۔ تصدیق ششم۔ ۱۲۔ ۱۰۲۔ تصدیق ہفتم۔ ۱۲۔
۱۰۳۔ تصدیق ہشتم۔ ۱۲۔ ۱۰۴۔ تصدیق دہم۔ ۱۲۔
۱۰۵۔ تصدیق یازدہم۔ ۱۲۔ ۱۰۶۔ تصدیق دوازدہم۔ ۱۲۔
۱۰۷۔ تصدیق سیزدہم۔ ۱۲۔ ۱۰۸۔ تصدیق چہاردہم۔ ۱۲۔
۱۰۹۔ تصدیق پانزدہم۔ ۱۲۔ ۱۱۰۔ تصدیق شانزدہم۔ ۱۲۔

قندیل الانوار ترجمہ جدّ الممتار

مولانا حامد علی علیمی (استاذ جامعہ علیمیہ اسلامیہ، کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے علوم نقلیہ وعقلیہ کی سینکڑوں کتب پر حواشی تحریر فرمائے۔ ان کے کتب خانے میں علمائے سابقین کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس پر انھوں نے حواشی نہ لکھے ہوں۔ مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن عابدین شامی کی شہرہ آفاق تصنیف "ردّ المحتار علی الدرّ المختار" پر بھی امام احمد رضا نے "جدّ الممتار علی ردّ المحتار" کے نام سے ضخیم اور نہایت دقیق حواشی تحریر فرمائے۔ جو کراچی سے تخریج و تحقیق کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہو رہے ہیں۔ اس عربی تصنیف کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ و تشریح مفتی غلام یسین امجدی علیہ الرحمۃ نے کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ مولانا حامد علی علیمی نے کتاب الصلوۃ سے آگے ترجمہ شروع کیا ہے۔ گزشتہ شمارے کے تسلسل میں ترجمے کی نئی قسط پیشِ خدمت ہے قارئین اپنی آراء اور مفید مشوروں سے نوازیں نیز طلبہ و محققین سے گزارش ہے کہ امام احمد رضا کی اس تصنیف کو اپنا موضوعِ تحقیق بنائیں۔ عبید

موضوع: سایۂ اصلی بدلتا رہتا ہے

علامہ شامی در مختار کہ قول " اور یہ (سایۂ اصلی) زمان و مکان کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے" پر فرماتے ہیں: "یعنی طویل اور قصیر ہونے میں، یا بالکل معدوم ہونے میں جیسا کہ حلبی نے اس کی وضاحت کی ہے"۔

قولہ: یعنی طویل اور قصیر ہونے میں:

قال الرضا: عرضِ بلد کی کثرت و قلت کے باعث۔

قولہ: یا بالکل معدوم ہونے میں جیسا کہ حلبی نے اسکی وضاحت کی ہے:

قال الرضا: یعنی کچھ دنوں میں، کیونکہ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں پورے سال سایہ معدوم رہتا ہو۔

موضوع: سایۂ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ

علامہ شامی، در مختار میں مذکور سایۂ اصلی معلوم کرنے کے طریقے کے بارے میں فرماتے ہیں: "امام محمد سے روایت ہے کہ وہ شخص قبلہ رو کھڑا ہو جائے۔ پس جب تک سورج اسکی بھونوں کے الٹی جانب ہے تو زوال نہیں ہوا، اور اگر سیدھی جانب ہے تو زوال ہو گیا، اسے مفتاح میں ایضاح اصلاح کی طرف منسوب کیا اور فرمایا: یہ اس سے زیادہ آسان ہے جو مسبوط کے حوالہ سے لکڑی گاڑنے کے بارے میں گزرا"۔[1]

([1] سایہ اصلی کا قاعدہ: اگر کوئی چیز گاڑنے کے لیے نہ ملے تو اس کی اپنی قامت (قد) کا اعتبار کیا جائے گا۔ "در")

قولہ: یہ اس سے زیادہ آسان ہے جو مسبوط کے حوالہ سے لکڑی گاڑنے کے بارے میں گزرا۔

قال الرضا: میں کہتا ہوں: لیکن یہ پہلے طریقے کے مقابلے میں بعض شہروں کے ساتھ خاص ہے۔

علامہ شامی در مختار کے قول "اس کی قامت کا اعتبار کیا جائے گا" کے تحت فرماتے ہیں: "یعنی: ایک ہموار زمین پر سورج یا اپنے سائے کی طرف رُخ کیے ہوئے، سیدھا کھڑا ہو جائے، سر کھلا اور ننگے پاؤں ہو، اور سایۂ اصلی یاد رکھے جیسے کہ پہلے گزرا، پھر آخری وقت میں کھڑا ہو اور کسی کو حکم دے کہ وہ اسکے سائے کی حد پر نشان لگا دے، پس جب سایہ اس کے قد سے دو گنا یا ایک گنا بڑھ جائے تو شک نہیں کہ ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت داخل ہو گیا، اگر کوئی نشانی نہیں لگائی تھی تو اس کے بدلے اپنے ساڑھے چھ (6½) قدم کے برابر ناپے، اور ایک قول یہ ہے کہ سات قدم۔"

قولہ: پس جب سایہ اس کے قد سے دو گنا یا ایک گنا بڑھ جائے تو شک نہیں کہ ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت داخل ہو گیا، اگر کوئی نشانی نہیں لگائی تھی تو اس کے بدلے اپنے ساڑھے چھ (6½) قدم کے برابر ناپے، اور ایک قول یہ ہے کہ سات قدم۔

قال الرضا: علامہ شامی کی مراد "ایک قول" سے اس کی تضعیف کرنا نہیں ہے بلکہ محض حکایت کرنا ہے، عنقریب آپ ایک سطر بعد فرمائیں گے کہ "اس پر عام مشائخ ہیں"۔

موضوع: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

علامہ شامی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

قولہ: "جہاں تک اس کے مغرب سے طلوع ہونے کا تعلق ہے تو پوری رات گزرنے کے بعد ہو گا":

قال الرضا: بلکہ تین راتوں کے برابر وقت گزرنے کے بعد طلوع ہو گا، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے۔

خلفائے اعلیٰ حضرت اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی

عقیل احمد (پی ایچ ڈی اسکالر، جامعہ کراچی)

امام احمد رضا محدث بریلوی کے بے شمار فیض یافتگان میں سے ایک مولانا شفیع اوکاڑوی بھی ہیں۔ خلفا و تلامذہ امام احمد رضا سے ان کے تعلقات کا جائزہ پیش خدمت ہے۔ ریکارڈ کے لیے ایک واقعہ یہاں عرض کر دوں جو مولانا شفیع اوکاڑوی کے صاحبزادے علامہ کوکب اوکاڑوی نے جنوری ۲۰۱۱ء میں عرس مفتی اعظم ہند منعقدہ جامع مسجد فاروقِ اعظم فیڈرل بی ایریا کراچی میں خلفائے اعلیٰ حضرت کے تربیت یافتہ حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہ کے تعلب فی الدین کے حوالے سے سنایا۔ آپ نے بیان کیا کہ "مجھے میرے والد (مولانا شفیع اوکاڑوی) نے بتایا کہ مولانا سردار احمد لائل پور (فیصل آباد) میں ابتداً مدرسے کی جگہ نہ ہونے کے سبب ایک درخت کے نیچے درس دیتے تھے، علاقے کا ڈپٹی کمشنر جو مذہباً شیعہ (رافضی) تھا حضرت سے ملنے کا خواہشمند ہوا۔ بعض افراد نے حضرت محدث اعظم سے اس کی ملاقات کی اجازت دینے کی سفارش کی تاکہ اس سے مدرسے کے لیے جگہ کے حصول میں مدد ملے۔ مگر حضرت نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں اس سے ہاتھ نہیں ملاؤں گا، سیدنا فاروق اعظم ناراض ہو جائیں گے۔" یہ تھی جھلک اس عشق رسول و محبت اکابر کی جو حضرت محدثِ اعظم کو خلفائے اعلیٰ حضرت سے پہنچی۔ عبید

اسلام میں بَیعَت کا تصور ایک معروف اور اساسی نظریہ ہے جس میں بیعتِ اسلام، بیعتِ جہاد، بیعتِ خلافت اور بیعتِ اِرَادت شامل ہیں۔ ان چار میں سے بیعتِ خلافت یعنی کسی کے اقتدار کو تسلیم کرنے کی جدید شکل ووٹ کاسٹ کرنا ہے جبکہ بیعتِ جہاد فوج میں شمولیت اختیار کرنا ہے اور کسی غیر مسلم کو دائرۂ اسلام میں داخل کرتے وقت کلمہ پڑھوانا بیعت اسلام کی موجودہ دور میں ایک صورت ہے۔ بیعت اِرَادت یعنی کسی متقی اور صالح شخص کے ساتھ اپنی قلبی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اس کو گواہ بناتے ہوئے فسق و فجور سے برأت کا اظہار کرنا بَیعَت اِرَادت کہلاتا ہے۔ دورِ جدید میں بیعت کی یہی صورت معروف و مشہور ہے۔ ایک بندہ جب کسی کو اپنا مُرشِد تسلیم کرتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے اُصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کرتا ہے اور ہِدایاتِ مُرشِد پر سختی سے کاربند رہتا ہے تو مرشد اس کی اِستعداد دیکھتے ہوئے اس کو اپنے سلسلے کی اجازت دیتا ہے اسی کو خلافت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اسلام کی آمد کے بعد اگر تاریخِ عالَم پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات پنہاں نہ رہے گی کہ صَحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، صُلحا اور دیگر پاکانِ امت نے ہر دور میں جانشین و تلامذہ کی ایک ایسی جماعت تیار کی جنہوں نے چار سو پھیل کر اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ ادا کیا۔

برِ صغیر پاک و ہند میں انھیں صالحین اور ان کے خلفا نے فکر و عمل کے ظلمت کدوں میں نورِ اسلام اور عشقِ رسول ﷺ کی شمع کو فَروزاں کیا جس میں تمام سَلاسِل کی مساعی قابلِ قدر ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے وسط تک کا دور مسلمانوں کے لیے ابتلاؤں اور مصائب کا دور تھا جس میں جہاں انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو مذہبی، سماجی اور مَعاشی طور پر تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو وہاں چند مسلم نمار ہنماؤں نے بھی مشترکہ قومیت کی آڑ میں اسلامی نظریۂ حیات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ایسی صورت حال میں اعلیٰ حضرت مجددِ دین ملت امام احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی فکری و علمی استعداد سے امت مسلمہ کے جِسْمِ ناتواں کو قوتِ مذہب سے توانا کیا۔ اپنے عہد میں امام اہلِ سنّت نے نہ صرف تحریر و تقریر اور تدریس و تبلیغ پر اکتفا کیا بلکہ اپنے خلفا کی ایک ایسی جماعت بھی تیار کی جنھوں نے مسلمانانِ برصغیر کی صحیح سَمت پر رہنمائی کی اور ان کو مارکسی، کانگریسی، گاندھوی اور مغربی فلسفۂ حیات کی گرداب سے نکال کر اس شاہراہ پر گامزن کیا جس پر چل کر بندہ رب کی رضا حاصل کر لیتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد اعلیٰ حضرت کا علمی فیضان ان کے مشاہیر خلفا و تلامذہ کی صورت میں اہلِ پاکستان کو نصیب ہوا جس میں حضرت ابو البرکات سید احمد قادری، مفتی تقدس علی خان، ابویوسف محمد شریف کوٹلوی، حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی، حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے خلفا و تلامذہ صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی قادری کے صاحبزادگان اور علمِ حدیث میں دبستانِ رضوی کے

نامور عالم حضرت مولانا سردار احمد کے نام نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے سلسلۂ طریقت کے امین قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی جو ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۸۱ء تک مدینۂ منورہ میں رونق اَفروز رہے ان سے بھی پاکستانی علما و مشائخ اور عوام وہاں حاضر ہو کر مستفید ہوتے رہے۔ اعلیٰ حضرت کے خلفا سے استفادہ کرنے والوں کی فہرست بڑی طویل ہے جس میں علما، خطبا، صلحا، شعراء زندگی کے ہر شعبے سے منسلک لوگ شامل تھے۔ لیکن ایک ایسی شخصیت جس نے ان بزرگوں سے بہرہ مند ہونے کے بعد اپنی مسحور کن آواز کے ذریعے ایشیا و افریقہ میں فکرِ رضا کا پھریرا الہرایا وہ حضرت خطیبِ اعظم پاکستان حضرت مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی کی تھی۔ علامہ اوکاڑوی کو اپنے زمانۂ طالبِ علمی ہی میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی اور شیخ القرآن علامہ غلام علی اوکاڑوی کی رَفاقتیں نصیب ہوئیں۔ مذکورہ بالا دونوں بزرگ صدرالافاضل حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے فیض یافتہ تھے۔ اس طرح اعلیٰ حضرت کے سیاسی، مذہبی، سماجی نظریات سے علامہ اوکاڑوی کو صرف دو واسطوں سے آگہی حاصل ہوئی جبکہ بلاواسطہ خلفائے اعلیٰ حضرت جن میں ابوالبرکات سید احمد قادری، مفتی تقدس علی خان اور قطبِ مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی سے ایک زمانے تک فیض رضا حاصل کیا۔

ابوالبرکات سید احمد قادری سے مستفید ہونے کا سلسلہ پچاس کی دہائی میں شروع ہوا اور ان کے وصال تک رہا۔ اس علمی استفادے کا فیضان یہ سامنے آیا کہ علامہ اوکاڑوی کی ہر تقریر مستند باحوالہ اور دلائل سے مزین نظر آتی۔ خود سید صاحب نے فرمایا کہ میدانِ خطابت میں علامہ اوکاڑوی اپنی مثال آپ ہیں۔ اسی طرح قطبِ مدینہ حضرت ضیاء الدین مدنی جن سے علامہ اوکاڑوی کی رفاقتوں کا سلسلہ ۱۹۵۸ء میں شروع ہوا اور ان کے وصال تک رہا۔ قطبِ مدینہ سے علامہ اوکاڑوی نے سلوک و طریقت کے رموز جو ان کو اعلیٰ حضرت سے حاصل ہوئے تھے ان سے کماحقہ استفادہ حاصل کیا۔ قطبِ مدینہ نے علامہ اوکاڑوی کو فکری اور قلبی طور پر مصفیٰ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔ علامہ اوکاڑوی ارضِ مقدس اور اس سے باہر اپنی سحر بیانیوں سے جب بھٹکے ہوؤں کو پھر سوئے حرم روانہ کر رہے تھے تو ان کی فروغِ عشقِ رسول ﷺ کی جلائی ہوئی شمع کی لو جب بریلی پہنچی تو اس کو فرزندِ اعلیٰ حضرت مفتیِ اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی محسوس کیا اور قطبِ مدینہ کے پوتے حضرت ڈاکٹر رضوان صاحب کو فرمایا کہ میں جب علامہ اوکاڑوی کے کارہائے نمایاں کے بارے میں سنتا ہوں جس سے فکرِ رضا کو تقویت مل رہی ہے تو میں بہت خوش ہوتا ہوں اور ان کو بہت یاد کرتا ہوں۔ علامہ اوکاڑوی کی خدمت کے اعتراف میں مفتیِ اعظم نے علامہ اوکاڑوی کو دعاؤں اور خلافت سے نوازا۔

سندھ میں اعلیٰ حضرت کے تربیت یافتہ مفتی تقدس علی خاں ایک علم دوست اور متقی انسان تھے۔ علامہ اوکاڑوی کے ان سے ملاقاتوں کے سلسلے بڑے طویل رہے جن میں انوار العلوم ملتان، دارالعلوم امجدیہ کراچی اور بار ہا مفتی تقدس علی خاں صاحب شہر کراچی میں ہوتے تو علامہ اوکاڑوی کے گھر ازراہِ محبت و شفقت تشریف لاتے، جہاں ذکرِ رضا کی خوب محفل جمتی۔ قبلہ مفتی صاحب سے جب علامہ اوکاڑوی ہندوستان کے دورِ غلامی میں مسلمانوں کی حالتِ زار اور پھر اُس عہد کے جعفرانِ ملت کی ستم ظریفیوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت کی مشترکہ قومیت کے رد، مسلمانوں کے ملی تشخص کے تحفظ اور ان کے نظریات کے دفاع کے لیے مساعی جمیلہ کے بارے میں سنتے تو کبھی سرشار ہوتے اور کبھی اشک بار ہوتے لیکن یہ اشکباریاں اور سرشاریاں تبلیغ دین، حبِ رسول ﷺ اور استحکامِ ملت جیسی سوچ کو مزید راسخ کرتیں۔

فکرِ رضا کے ترجمان پاکستان میں علمِ حدیث کے حوالے سے ایک امتیازی مقام رکھنے والے حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ جو محدثِ اعظم پاکستان کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ان کے ساتھ بھی علامہ اوکاڑوی کا ایک خاص تعلق رہا۔ علامہ اوکاڑوی کو جب اور جہاں کہیں بھی موقع ملتا تو ضرور ان کے علمی جواہر سے حظِّ وافر حاصل کرتے۔ حضرت قبلہ محدثِ اعظم کو علامہ اوکاڑوی کی ثقاہت پر اتنا اعتماد تھا کہ آپ اپنے عقیدت مندوں کو حکم دیتے کہ علامہ اوکاڑوی کا خطاب ضرور سنا کریں۔ شہر کراچی میں دس برس علامہ اوکاڑوی کو حضرت مفتی محمد عمر نعیمی کی رفاقتیں حاصل رہیں جن کے توسط سے علامہ اوکاڑوی جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں بننے والی الجمعیۃ المرکزیۃ العالیہ اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں علما و مشائخ کی موثر حکمت عملیوں

کے چشم دید اور چشم کشا حالات وواقعات سے آگاہ ہوئے۔ مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کی سنگتوں نے علامہ اوکاڑوی کو اسلامی نظام کے نفاذ اور ایک خوشحال اسلامی ریاست کے لیے مزید مستعد اور فعال کر دیا اور شاید یہ مفتی محمد عمر نعیمی کی صحبتوں کا اثر تھا کہ علامہ اوکاڑوی نے کراچی میں جماعت اہلِ سنّت کی بنیاد رکھی۔ جے یو پی کے پلیٹ فارم سے میدانِ سیاست میں آئے اور تبلیغِ قرآن وسنت کی عالمگیر تحریک دعوتِ اسلامی کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی۔ اسی طرح حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے فیض یافتہ حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی اور مفتی محمد نور اللہ نعیمی بصیر پوری کے افکارِ آبدار سے بھی فکرِ رضا کے خوب موتی چنے۔

اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت کے مظہر حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے صاحبزادے حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری علیہ الرحمۃ کے ساتھ علامہ اوکاڑوی کا تعلق کراچی آنے سے پہلے کا ہے اور مختلف سیاسی، سماجی، تنظیمی، مسلکی، تبلیغی امور میں دونوں بزرگوں کا سالہا سال تعلق رہا۔ علامہ ازہری ہر سال دارالعلوم امجدیہ میں نہایت شان و شوکت سے فکرِ رضا کانفرنس کا انعقاد کیا کرتے جس میں افکارِ رضا کے حوالے سے علامہ اوکاڑوی کو خصوصی طور پر مدعو کیا جاتا۔ علامہ اوکاڑوی جب اپنی تقریر میں اعلیٰ حضرت کی حیات و خدمات کے ذکر کے ساتھ ان کے عشقِ رسول ﷺ سے معمور اشعار اپنے مخصوص مترنم انداز میں پڑھتے تو سامعین کی سماعتیں ایک نئے لطف سے آشنا ہوتیں۔

دنیائے شرق و غرب میں فکرِ رضا کی نہج پر دعوتِ حق دینے والے اعلیٰ حضرت کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی جنہوں نے مغربی فلاسفہ اور غیر مسلم عمائدینِ حکومت کو اسلام کے فلسفۂ حیات کے بارے میں آگاہ کیا اور ان ممالک میں جہاں ان سے پہلے کوئی مسلم سکالر نہیں پہنچا وہ گئے۔ اسلامی مراکز کھولے، مساجد بنائیں، مختلف زبانوں میں خود بھی کتب لکھیں اور ان کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ ان کے صاحبزادے حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی جن کو اپنے وصال تک سیاست میں ایک بااصول مذہبی سیاستدان کی حیثیت حاصل رہی ہے علامہ اوکاڑوی کا ان سے تعلق دو دہائیوں پر محیط ہے۔ ان ہی کے کہنے پر علامہ اوکاڑوی نے عملی سیاست میں حصہ لیا۔ نظامِ مصطفیٰ کے سلسلے میں منعقد ہونے والی تحاریک اور کانفرنسز میں دونوں بزرگوں کی خدمات اور کردار مثالی رہا۔ علامہ شاہ احمد نورانی کی ملی و دینی خدمات میں جب ان کے والدِ گرامی کا عکسِ جمیل علامہ اوکاڑوی دیکھتے ہوں گے تو ضرور اعلیٰ حضرت کی مہک سے دل کے غنچے کھلتے ہوں گے۔ حضرت عبدالعلیم صدیقی کے منہاج پر علامہ اوکاڑوی نے بھی کئی بیرونِ ممالک اسفار کیے جن میں جنوبی افریقہ کے دورے نہایت اہم تھے۔

علامہ اوکاڑوی پہلی بار ۱۹۷۶ء میں جنوبی افریقہ گئے۔ اپنے تین ماہ کے قیام میں آپ نے وہاں کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور غیر معروف علاقوں میں تین سو کے قریب خطابات کیے۔ وہاں جماعتِ اہلِ سنّت کی بنیاد رکھی۔ علمائے دیوبند کی وہ عبارات جن پر اعلیٰ حضرت نے گرفت کی تھی وہ کتب علامہ اوکاڑوی ساتھ لے گئے تھے اور وہاں بریلی و دیوبند کے اختلافات کی حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ وہاں موجود دوسرے مسالک کے لوگوں نے جب اپنے آپ کو بے نقاب ہوتے دیکھا تو امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا پر غیر علمی و غیر تحقیقی اعتراضات کیے جس کے جواب میں علامہ اوکاڑوی نے نہ صرف اعلیٰ حضرت کے کارہائے گراں قدر سے وہاں کے مسلم حلقوں کو روشناس کروایا بلکہ غلط اور منفی پروپیگنڈہ کرنے والوں کو مناظروں کا بھی چیلنج دیا جس کا کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ ان باتوں کا ذکر اس دور کے وہاں کے مشہور اخبار "مرکری" نے بھی تفصیل سے کیا۔ جنوبی افریقہ میں مقیم پاکستانی اسکالرز مفتی اسماعیل ہزاروی اور مفتی اکبر ہزاروی کا کہنا ہے کہ علامہ اوکاڑوی کا خطاب سننے لوگ پچاس پچاس میل دور سے آیا کرتے تھے اور ہزاروں لوگ صرف علامہ اوکاڑوی کے خطابات کی وجہ سے فکرِ رضا سے متعارف ہوئے۔ آپ کی تحریک پر وہاں چند ادارے معرضِ وجود میں آئے۔ علامہ اوکاڑوی نے وہاں خطباتِ تنظیمی امور اور فروغِ سنیت کے حوالے سے جو کارہائے نمایاں انجام دیے اس حوالے سے وہاں کے اس وقت کے سنی رہنماؤں کا کہنا تھا کہ علامہ اوکاڑوی کے اس دورے نے وہاں "سنی انقلاب" بپا کر دیا۔ پاکستان کے مشہور سنی رضوی بزرگ علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب وہ ۱۹۷۸ء میں جنوبی افریقہ گئے تو وہاں علامہ اوکاڑوی کی تقاریر کی ریکارڈنگ ہزاروں لوگوں کے پاس دیکھی جو اس کو مزید آگے پہنچا رہے تھے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 43 پر ملاحظہ فرمائے)

بانی مرکزی مجلس رضا

سید محمد سرفراز قادری (ریسرچ اسکالر، فیصل آباد یونیورسٹی)

بانی مرکزی مجلس رضا حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۲۷؍ اگست ۱۹۲۷ء / ۲۸ صفر ۱۳۴۶ھ کو امرتسر کے مشہور عالم وعارف اور ممتاز طبیب حکیم فقیر محمد چشتی نظامی فخری ﷫ (۱۸۶۴ء-۱۹۵۲ء) بن حکیم نبی بخش چشتی امرتسری علیہ الرحمۃ کے ہاں پیدا ہوئے[۱]۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، حکیم صاحب کے حالات کا تذکرہ اُن ہی کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں: "میرے خاندان کے تمام بزرگ حنفی اور مشرباً صوفی صافی تھے۔ حضرت والد ماجد پہلے اپنے رشتہ کے چچا مولوی حکیم فتح الدین سے سلسلہ چشتیہ میں فیضیاب ہوئے پھر انہی کے کہنے پر حضرت مولانا الحاج میاں علی محمد خاں سجادہ نشین بسّی شریف (ہوشیار پور) سے بیعت ہوئے۔ احقر بھی حضرت میاں صاحب موصوف سے بیعت ہے۔ طبابت ہمارا خاندانی مشغلہ ہے۔ میرے تین بڑے بھائی ہیں، وہ بھی طبیب ہیں، ایک چھوٹے بھائی ہیں، وہ بھی طبیب ہیں، اگرچہ مطب نہیں کرتے۔"[۲] شیخ العرب والعجم قطب مدینہ حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری (م ۱۹۸۱ء) خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ (م ۱۹۲۱ء) سے ۱۹۷۴ء میں مدینۂ پاک کی حاضری کے موقع پر بیعتِ تبرک سے مشرف ہوئے۔ حضرت قطب مدینہ حکیم صاحب قبلہ پر نہایت درجہ مہربان تھے "حکیم اہلِ سنّت" کا خطاب حضرت نے ہی عطا فرمایا تھا۔

مبارک حسین مصباحی رقمطراز ہیں: "آج امام احمد رضا کا علمی شہرہ مدارس سے یونیورسٹیوں تک پہنچ چکا ہے۔ ان کی آفاقی فکر کا غلغلہ عجم سے عرب تک سنا جارہا ہے۔ انکی عبقری شخصیت کی دھمک مشرق سے مغرب تک محسوس کی جاری ہے۔ دانش کدوں میں ان کی فکر و شخصیت پر ریسرچ ہو رہی ہے۔ ان کی نثر و نظم یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب ہوچکی ہیں۔ اہلِ سائنس ان کے فلسفیانہ نظریات پر سر دھن رہے ہیں۔ ان کے تجدیدی اور فقہی کارناموں پر اہلِ قلم بے تکان لکھتے چلے جارہے ہیں۔۔۔ مگر ایک دور تھا، امام احمد رضا کا فضل و کمال بے نام و نشان تھا۔ اہلِ قلم اس طرف رخ ہی نہ کرتے تھے۔ حکیم اہلِ سنت سے اس ماحول میں رہا نہ گیا۔ حساس دل تھا تڑپ اٹھا۔ بے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں پورے عزم و حوصلے کے ساتھ چند احباب کو لے کر میدانِ عمل میں اتر پڑے اور ۱۹۶۸ء میں "مرکزی مجلس رضا" کی بنیاد رکھ دی۔" مجلس کی بنیاد کے بارے میں ایک دلچسپ پس منظر خود حکیم صاحب کی زبانی سنیے جو انھوں نے خواجہ رضی حیدر کو ایک انٹر ویو میں ارشاد فرمایا: "مطالعہ شروع سے میرا شغف رہا ہے۔ میں پریشان تھا کہ تحریک پاکستان میں جن علمانے کھل کر پاکستان کی مخالفت کی اور انگریز کی کاسہ لیسی کی اُنکا تذکرہ تو ہیروز کے طور پر ملتا ہے اور اعلیٰ حضرت بریلوی، جنکا انگریز دوستی کا کوئی حوالہ نہیں بلکہ مخالف رہے، تذکرہ ناپید ہے میں یہ سوالات اکثر پروفیسر ایوب قادری سے کرتا مگر کیونکہ ان کا جھکاؤ دیوبندیت کی جانب تھا میرے سوال کو گول کر جاتے۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف تلاش کر کے پڑھیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی حالیہ تاریخ کی ایک مظلوم شخصیت ہیں لہٰذا ان پر کام کرنے کا ارادہ کیا اور کام شروع کر دیا"[۳]

سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی لکھتے ہیں: "تقریباً ۱۹۶۸ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کے قیام کے بعد محسنِ اہلِ سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی تحریک سے رضویات پر تسلسل سے کام شروع ہوا جو ایک طویل عرصہ تک جاری رہا۔ پاک وہند میں مرکزی مجلس رضا ہی واحد ادارہ تھا جس نے سب سے پہلے نامساعد حالات کے باوجود امام احمد رضا سے متعلق صالح لٹریچر بلا قیمت پیش کیا اور پاک و ہند کے علاوہ مختلف ممالک میں متعارف کرایا مجلس کے روحِ رواں حکیم محمد موسیٰ امرتسری اہلِ علم کے شکریہ کے مستحق ہیں، مگر

صلۂ شہید کیا ہے، تب و تابِ جاودانہ"[۴]

قارئینِ کرام! رضویات کے حوالے سے انڈوپاک میں کوئی کتاب یا رسالہ اٹھائیے، کنزالایمان سوسائٹی کا "حکیم محمد موسیٰ امرتسری نمبر" ہو یا مرکزی مجلس رضا کا "حکیم محمد موسیٰ امرتسری"

خاص نمبر، مسعودِ ملت ڈاکٹر مسعود احمد، مخدومِ ملت سید ریاست علی قادری، انڈیا کے تمام محققین دورِ جدید کے ماہرِ رضویات ڈاکٹر سلیم اللہ جندران، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، پروفیسر دلاور خاں صاحب بڑے کھلے دل سے محسنِ ملت حکیم محمد موسیٰ امر تسری کو اعلیٰ حضرت پر تحریر و تقریر کے حوالے سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ سید وجاہت رسول قادری لکھتے ہیں: "فی الحقیقت یہ بہت بڑا کام تھا جو بانیِ مجلس رضا کے اخلاص اور لگن کی وجہ سے بہت تھوڑے وقت میں ہو گیا۔ بعد میں رضا اکیڈمی لاہور اور رضا اکیڈمی، ممبئی (انڈیا) نے بھی تصانیفِ اعلیٰ حضرت کی اشاعت پر توجہ دی"۔[۵]

پھر انھوں نے ایک طویل فہرست دی ہے۔ مذکورہ فہرست سے چند یہ ہیں: (۱)۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (۲) المجمع الاسلامی، مبارکپور، انڈیا (۳) رضا اکیڈمی، ممبئی، انڈیا (۴) رضا اکیڈمی، اسٹاکپورٹ، برطانیہ (۵) امام احمد رضا اکیڈمی، ساؤتھ افریقہ (۶) کنزالایمان سوسائٹی، لاہور (۷) سنی رضوی سوسائٹی، ماریشس (۸) اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن، بنگلہ دیش۔

حکیم صاحب قبلہ نہایت دور اندیش مردِ درویش تھے۔ اس تناظر میں آپ کو محسنِ ملت اور قومی سطح کے مشاہیر میں شامل کرنا یقیناً مبالغہ نہ ہو گا کہ آپ نے دینی و علمی کتب کی وسیع پیمانے پر ترویج واشاعت فرمائی۔ مجلس رضا کی جانب سے مختلف زبانوں میں جو اشاعت ہوئی اس کی تعداد تقریباً ۱۸ لاکھ ہے۔[۶] احباب کے علم میں ہے کہ ان لائبریریوں، اداروں میں جہاں خاص جکڑبند ذہن رکھنے والے "اربابِ علم و دانش" براجمان ہیں وہاں سوادِ اعظم اور خاص کر اعلیٰ حضرت بریلوی کی کتب پہنچانا یا اُن کا موجود ہونا بہت مشکل ہے۔ راقم کے علم میں بھی یہ بات ہے کہ مذکورہ حضرات اعلیٰ حضرت کی کتاب ضائع کر دیتے ہیں یا لائبریری سے حاصل کر کے اسے گم شدہ قرار دیکر قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ مگر حکیم اہلِ سنت نے اپنی زندگی کی متاعِ بے بہا پنجاب یونیورسٹی پبلک لائبریری لاہور، بذریعہ لاہور ہائی کورٹ (بعد از قانونی کاروائی) قوم کے حوالے کر دی اور اب یہ ذخیرۂ کتب جو تقریباً ۱۲ ہزار کتب سے متجاوز کر چکا ہے لائبریری کے عظیم ذخیروں میں شمار ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت پر کام کرنے والے، ایم اے، ایم ایڈ، ایم فل اور پی ایچ ڈی اسکالرز کے لیے کسی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، سید جمیل احمد رضوی چیف لائبریرین پنجاب یونیورسٹی کے نام لکھتے ہیں: "محب گرامی: السلام علیکم! آپ کا گرامی نام ملا اور ساتھ ہی "فہرست ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امر تسری" کا ایک نسخہ بھی۔ دونوں کے لیے تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ اہلِ تحقیق، طلبہ واساتذہ اس سے با آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس ذخیرے سے پنجاب یونیورسٹی یقیناً ثروت مند ہوئی ہے"۔[۷]

سید محمد عبداللہ قادری لکھتے ہیں: "حکیم صاحب نے پاکستان میں سب سے پہلے ایک بہت بڑے "تاریخی مغالطے" کی طرف مصنفین کو متوجہ کیا۔ یعنی مولانا غلام رسول مہر اور جناب ابوالحسن ندوی صاحب نے انگریز کے خلاف جہاد کا سہرا جناب سید احمد بریلوی صاحب کے سر باندھ دیا اور تاریخ کا سطحی مطالعہ رکھنے والوں نے اس تحقیق کو مان بھی لیا۔ چنانچہ حکیم صاحب کی تحریک پر حضرت وحید احمد مسعود نے "سید احمد بریلوی کی صحیح تصویر" کھینچی، جو تین بار شائع ہو چکی ہے مگر کسی سے اس کا جواب نہیں بن پڑا اسکے بعد متعدد مصنفین و محققین اس طرف متوجہ ہوئے اور خوب خوب دادِ تحقیق دی"۔[۸] سید عبداللہ قادری نے اس تحریر کے بعد مندرجہ ذیل چند کتب کا اس ضمن میں حوالہ دیا ہے: (۱) جناب راجا غلام محمد صاحب نے "امتیازِ حق" لکھی۔ (۲) شاہ حسین گردیزی نے "حقائق تحریکِ بالاکوٹ" لکھی۔ (۳) سید نور محمد قادری نے "سید احمد بریلوی کے خانہ جہاد کی حقیقت" لکھی۔[۹] (۴) حضرت زید ابوالحسن فاروقی (دہلی) نے "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان" لکھی۔[۱۰]

راقم الحروف قبلہ حکیم صاحب کی خدمتِ عالیہ میں تقریباً ۱۵ سال سے زیادہ عرصہ رہنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ بدعقیدہ لوگوں کی یہ مذکورہ "تحریک" اور "نام نہاد شہدا" کو متنازعہ فیہ یا زیرِ بحث لانے میں غالباً حکیم صاحب ہی وہ واحد شخصیت ہیں اور انھی کی تحریک پر نہ صرف رضویات پر عالمی سطح پر کام ہو رہا ہے بلکہ موخر الذکر موضوع اور تحریک بھی انھی کی مرہونِ منت ہے۔ مثلاً حکیم صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ راست ظہور الدین خان سابق جنرل سیکریٹری مرکزی مجلس رضا، لاہور اسی کام کو آگے بڑھانے میں، سرگرمِ عمل ہیں۔ چند کتب کے نام درج ذیل ہیں تاکہ محققین کو آگاہی ہو: (۱) ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، از محمد جلال الدین

قادری۔ (۲)النور، پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف۔ (۳)البلاغ، پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف۔ (۴)تحریکِ ترکِ موالات کے نتائج واثرات۔ (۵)جمیعت العلمائے ہند کی افترا پردازیاں۔[۱۱]

مجلس رضا کے قیام کے مقاصد میں اعلیٰ حضرت کی کتب کی اشاعت اور تعارف کے علاوہ حقائق کی نقاب کشائی بھی سر فہرست تھے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اہلِ سنّت کے اشاعتی ادارے "ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا" کی صورت میں یہ کام پوری فرض شناسی کے ساتھ انجام دیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے (آمین)

حواشی

۱۔ محمد عبداللہ قادری سید، حکیم محمد موسیٰ امر تسری (ایک ادارہ ایک تحریک) داتا گنج بخش اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۔

۲۔ سہ ماہی، العلم کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۷۱ء۔

۳۔ محمد نعیم طاہر رضوی، ماہنامہ کنزالایمان، حکیم محمد موسیٰ امر تسری نمبر ۲۰۰۱ء، ص ۶۱، ۶۲۔

۴۔ رضویات نئے تحقیقی تناظر میں، مرتبین، سید وجاہت رسول، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ڈاکٹر سلیم اللہ جندران، پروفیسر دلاور خاں، ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۴۱۔

۵۔ ایضاً، ص ۴۱، ۴۲۔

۶۔ کنزالایمان، ماہنامہ ۲۰۰۱ء۔ (ایضاً)، ص ۶۳۔

۷۔ جمیل احمد رضوی سید، فہرست ذخیرہ کتب حکیم محمد موسیٰ امر تسری (جلد دوم) ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۔ اس ذخیرے سے کتاب ایشو نہیں کرائی جاسکتی۔ اس ذخیرے کی فہرست ۵ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۸۔ محمد عبداللہ قادری سید، حکیم محمد موسیٰ امر تسری ایک ادارہ ایک تحریک، ص ۷۳۔ نوٹ: اس کے تیسرے ایڈیشن کا پیش لفظ حکیم صاحب نے فرضی نام (محمد سعید نعمانی) سے لکھا جو خاصے کی چیز ہے۔ اب یہ پیش لفظ سید احمد کی صحیح تصویر، رضا پبلی کیشنز، لاہور (فرید بک سٹال) ۲۰۰۳ء دیکھا جاسکتا ہے۔

۹۔ مرکزی مجلس رضا نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔

۱۰۔ مرکزی مجلس رضا نے ۲ ایڈیشن شائع کئے۔

۱۱۔ یہ کتب مکتبۂ رضویہ ۲۴/۲ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، اب اس ادارے کا نام "ادارۂ پاکستان شناسی" ہے۔

بقیہ صفحہ نمبر40سے ملحق

اپنے دورے میں علامہ اوکاڑوی ماریشس بھی گئے، جہاں ربیع الاول میں آپ کو مدعو کیا تھا۔ وہاں ایک کانفرنس میں ماریشس کے ہندو وزیرِاعظم بھی مدعو تھے۔ علامہ اوکاڑوی نے اپنے خطاب میں اس ہندو وزیرِاعظم کے سامنے عظمتِ توحید اور مذمتِ شرک پر جامع تقریر کی۔ وزیرِاعظم نے آپ سے متاثر ہو کر آپ کو سرکاری مہمان کی حیثیت سے اپنے محل میں آنے کی دعوت دی۔ علامہ نے اس کے جواب میں اسلاف کی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور شاہی محل میں نہ گئے۔

۱۹۸۱ء میں علامہ اوکاڑوی متحدہ عرب امارات تشریف لے گئے، جہاں آپ نے ابوظہبی اور دبئی میں سنی مراکز اور جماعتِ اہلِ سنّت کی داغ بیل ڈالی اور مخالفین کے اعلیٰ حضرت پر لغو اعتراضات کے مفصل اور تحقیقی جوابات دیے۔ وہاں علامہ اوکاڑوی کے مدلل اور پر اثر خطابات میں ہزاروں لوگ ہوتے، بالخصوص ابوظہبی میں تو آپ کو محکمۂ اوقاف کی طرف سے اجازت حاصل تھی اور سرکاری مساجد میں آپ کی تقاریر ہوئیں۔ آپ کی مقبولیت کو دیکھ کر مخالفین کا یہ کہنا تھا کہ "اس شخص نے ہماری مسجدیں خالی کر دی ہیں۔"

۱۹۸۳ء میں آپ مفتیِ اعظم ہند حضرت مصطفیٰ رضا خاں کے عرس کی تقریبات میں شرکت کے لیے انڈیا تشریف لے گئے، جہاں بریلی میں آپ نے حق گوئی اور جرأت کے پیکرِ عظیم اعلیٰ حضرت کے مرقدِ انور پر سلامِ محبت پیش کیا۔ علامہ اوکاڑوی کی اعلیٰ حضرت کے دربار میں حاضری کے انداز کے بارے میں سن کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ امامِ اہلِ سنّت کو اپنی زندگی کی روداد سنا رہے ہوں اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہوں کہ "اے سنیو کے عظیم پیشوا اور ان کے عقائد کے محافظ! میں نے آپ کا پیغامِ حق جو آپ کے خلفا و تلامذہ سے سنا اس کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق ایشیا و افریقہ میں پہنچا دیا۔ اگر اس میں کوئی خطا ہو گئی ہو تو آپ سے معافی کا طلبگار ہوں۔"

عرصہ پہلے بزرگوں نے علامہ اوکاڑوی کے دل میں جو افکارِ رضا کا چراغ روشن کیا تھا اس سے ایک عالم کو منور کر کے آستانِ رضا پر حاضری کے صرف ایک برس بعد ہی یہ شہبازِ خطابت عالمِ بالا کی طرف کوچ کر گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ممبئی میں دوروزہ امام احمد رضا کانفرنس و سیمینار

رپورٹ: غلام مصطفیٰ رضوی (نوری مشن مالیگاؤں، انڈیا)

"امام احمد رضا سائنس کو اصولِ شریعت کی روشنی میں پرکھنے کے قائل تھے۔ میں نے ہزاروں صفحات رضویات پر لکھے ہیں لیکن اب بھی بہت سے پہلو تشنہ ہیں، کہ اعلیٰ حضرت علم و فضل کا اتھاہ سمندر ہیں"، اس طرح کا اظہارِ خیال برکاتِ رضا چیریٹیبل ٹرسٹ میرا روڈ کے زیرِ اہتمام منعقدہ امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس میں مولانا یٰسین اختر مصباحی (دارالقلم دہلی) نے فرمایا۔

پہلا دن: ۲۶/ فروری۔ سیمینار کا آغاز صبح دس بجے تلاوتِ کلام اللہ سے ہوا۔ پہلی نشست کے مقالہ نگاران کی تفصیل اس طرح ہے: پروفیسر عبدالمجید صدیقی (سابق پرنسپل سٹی کالج، مالیگاؤں) نے "اعلیٰ حضرت اور زر کی بازار کاری" کے موضوع پر پر مغز مقالہ پیش کیا نیز سود، بینکاری، زر بازار، صرف بازار، شیئر اور مسلم اقتصادیات کے لیے امام احمد رضا کے اسلامی معاشی اصولوں پر تفصیلی مقالہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: "اعلیٰ حضرت نے اپنی خداداد بصیرت سے ایک صدی قبل ہی علم معاشیات کی افادیت کو جان لیا تھا اور مسلمانوں کے معاشی استحکام کی غرض سے رہنما اصول پیش کیے تھے۔" دوسرا مقالہ مولانا محمد حنیف خان رضوی مصباحی (جامعہ نوریہ رضویہ بریلی) نے "اشاعتِ فکرِ رضا کے لیے دس نکاتی علمی منصوبے" کے عنوان سے پیش کیا۔ موصوف نے کہا: "بین الاقوامی سطح پر امام احمد رضا کی تعلیمات کا احیا وقت کا تقاضا ہے۔" مولانا انوار احمد امجدی (دہلی) نے "علوم و فنونِ رضا کی جدید تقسیم" کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔

بعد نمازِ ظہر دوسری نشست کا آغاز ہوا۔ مولانا شاہد القادری (مدیر "گلستان رضا" کلکتہ) نے "کلکتہ میں فکرِ رضا کی تابشیں" (۱۹۰۱ء تا ۲۰۱۱ء) کے عنوان پر تاریخی تناظر میں مقالہ خوانی کی۔ کلکتہ میں اشاعتِ علمِ دین اور اصلاحی و فکری امور میں تلامذہ و وابستگانِ رضا کے رول پر گفتگو کی۔ "فروغ رضویات اور مدرسہ منظرِ اسلام بریلی" کے زیر عنوان ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی (مدیر ماہنامہ "اعلیٰ حضرت" بریلی) نے مقالہ خوانی کی۔ موصوف نے اسلامی علوم کے فروغ کے ساتھ مسلم مسائل کے حل کے سلسلے میں عہد بہ عہد فضلائے منظرِ اسلام کی کاوشات کا دلائل سے تجزیہ پیش کیا۔ جب کہ عصرِ حاضر کے ابھرتے تقاضوں کے تناظر میں "کلام رضا کی شعری جمالیات" کو ڈاکٹر خواجہ اکرام (جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی) نے موضوع بنایا۔ موصوف نے کہا: "نعتیہ شاعری میں احساس جمالیات جو موجود ہے وہ کسی صنفِ شعری میں نہیں اور اس کی مثالیں اعلیٰ حضرت کے کلام میں ملتی ہیں۔" اس نشست کے آخری مقالہ نگار پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی (بہار یونیورسٹی مظفر پور) تھے۔ موصوف نے "اعلیٰ حضرت کی ادبی بصیرت اور صنف نعت" کے زیرِ عنوان فرمایا: "رضویات کا مستقبل بہت تاب ناک ہے جس پر درجنوں پی ایچ ڈی اور ایم فل کے اعزازات شاہد ہیں۔"

بعد از عصر سیمینار کی تیسری نشست کا آغاز ہوا۔ ڈاکٹر صادق الاسلام دہلی نے تحقیقی گوشوں پر مقالہ پیش کیا۔ ڈاکٹر آدم رضا شیخ (شولاپور) اور پروفیسر غلام دستگیر (شیواجی یونیورسٹی شولاپور) نے یونیورسٹیوں میں "امام احمد رضا پر تحقیق کی افادیت اور اصول" پر اظہار خیال کیا۔ اخیر میں مفتی مطیع الرحمٰن رضوی نے مقالات پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہا: "۱۹۱۲ء میں اسلامی بنیادوں پر امام احمد رضا نے اپنا مشہور معاشی نظریہ پیش کیا۔ جو عالمی معیشت میں اہم مقام رکھتا ہے۔ عالمی جامعات میں امام احمد رضا تحقیق کا موضوع بن چکے ہیں۔" رات میں اجلاس عام منعقد ہوا جس میں مولانا تطہیر احمد رضوی بریلوی نے "امام احمد رضا کے اصلاحی افکار اور معاشرتی احوال" پر پر مغز خطاب کیا۔ اسی دوران ۲۰۱۰ء میں علمی و تحقیقی کام انجام دینے والے تین اسکالرز کو مولانا یٰسین اختر مصباحی کے ہاتھوں اعزازات سے نوازا گیا۔ کانفرنس میں درجنوں علما و مشائخ نے شرکت کی اور امام احمد رضا کی دینی، فقہی، اصلاحی، تعلیمی و تحقیقی خدمات کے

گوشوں کو اجاگر کیا۔

دوسرا دن: ۲۷/ فروری، سیمینار و کانفرنس کے دوسرے روز کی پہلی نشست کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ پہلا مقالہ ''امام احمد رضا کی طبی بصیرت'' پر ڈاکٹر سعید احسن قادری (پونے میڈکل کالج) نے پیش کیا، جدید طب میں امام احمد رضا کی مہارت کے ضمن میں دلائل پیش کیے۔ تصنیفِ رضا ''الدولۃ المکیہ'' کے حوالے سے ریاضی و سیٹ تھیوری (Set Theory & Topology) میں ''امام احمد رضا کی دسترس'' پر مقالہ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (بریلی) نے پیش کیا۔ آپ نے مثال میں عباراتِ رضا بھی پیش کیں۔ اس نشست کا تیسرا مقالہ مولانا مجاہد حسین حبیبی (مدیر ماہنامہ ''تبلیغ سیرت'' کلکتہ) نے ''کلکتہ میں متوسلین رضا کی علمی خدمات'' کے موضوع پر پیش کیا۔ بعد ازاں پروفیسر ڈاکٹر رفیق منیار (پونا) نے بعنوان "Alahazrat and Study of Zoology" انگریزی میں مقالہ پیش کیا۔ ''ادبیاتِ رضا'' پر مولانا حسن منظر قدیری نے مقالہ پڑھا، آپ نے کہا: ''حدائق بخشش میں اعلیٰ حضرت نے فکر و فن کو سمو دیا ہے۔'' مفتی مطیع الرحمٰن رضوی نے ''علومِ جدیدہ میں امام احمد رضا کی دسترس'' پر مقالہ خوانی کی۔ فرمایا کہ ''دنیا کے بڑے بڑے فلاسفر بھی اعلیٰ حضرت کے سائنسی نظریات سے استفادے پر مجبور ہیں۔'' صدارتی خطبہ علامہ یٰسین اختر مصباحی نے ارشاد فرمایا آپ نے کہا کہ: ''سنجیدہ و علمی انداز میں افکارِ رضا کو پیش کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی عظیم قومی خدمت انجام دے رہے ہیں۔'' سیمینار کی آخری نشست میں تاثراتی کلمات مفتی علاؤالدین رضوی (میرا روڈ) نے ارشاد فرمائے۔ غلام مصطفی رضوی (مالیگاؤں) نے ''اشاعتِ دین کے لیے فکرِ رضا کی روشنی میں میڈیا کے کردار'' پر مقالہ پیش کیا اور کہا کہ ''فکرِ رضا کی روشنی میں ابلاغِ حق کے لیے میڈیا کے شعبے شرعی احتیاط کے ساتھ بروئے کار لائے جائیں اور دین کی اشاعت کی جائے۔'' ''تحقیقات رضویات'' پر سید ولی الدین نے مقالہ پیش کیا۔ آخری مقالہ ناظمِ سیمینار ڈاکٹر واحد نظیر (پٹنہ) نے ''امام احمد رضا کی نعت گوئی میں حزم و احتیاط'' کے موضوع پر پڑھا۔ عصر تا مغرب سوال و جواب کا علمی سلسلہ رہا۔ شب میں علما و مشائخ کے فکر انگیز خطبات ہوئے۔

مرکزی خطبہ مفتیِ اعظم مہاراشٹر مفتی محمد مجیب اشرف رضوی (ناگپور) نے ارشاد فرمایا۔ آپ نے کہا کہ'' امام احمد رضا کی مقبولیت و مہارت اشاعتِ دین کی بنیاد پر ہے۔ اپنے عہد کے تمام ماہرینِ فن پر امام احمد رضا فوقیت رکھتے ہیں۔ اسلامی وقار کی بحالی کے لیے آپ کی خدمات سب سے نمایاں ہیں۔'' ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی دو تصانیف ''امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل'' اور ''کاملان پورنیہ'' کا اجرا علما و دانش وروں کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

سیمینار و کانفرنس کے انعقاد کے پس منظر اور مقاصد پر ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے روشنی ڈالی اور فرمایا کہ ملک کے مختلف شعبوں سے وابستہ ماہر شخصیات کی خدمات کے اعتراف میں یونیورسٹیاں اور انسٹی ٹیوٹ ان کے نام منسوب ہیں لیکن وہ ذات جو ہر علم و فن میں ماہر اور ملک کے لیے باعثِ فخر ہے'' امام احمد رضا'' ان سے منسوب کوئی تحقیقاتی ادارہ نہیں۔ ہماری اولین ترجیح امام احمد رضا سے منسوب ایک عظیم تحقیقاتی ادارے کا قیام ہے جس کے لیے ہم کوشاں ہیں۔ اصلاحی، سماجی، تعلیمی، طبی اور دیگر فلاحی شعبوں میں فکرِ رضا کے حوالے سے کام کے لیے ہم منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ ''شریعت کی اتباع ہی مسلکِ رضا ہے۔'' سلام و دعا پر اس علمی و تاریخی سیمینار و کانفرنس کا اختتام ہوا۔ شرکا کی بڑی تعداد ملک کے مختلف مقامات سے پہنچی جب کہ جامعات، کالجوں اور دانش گاہوں سے وابستہ علما، اساتذہ و اسٹوڈینٹس کی بڑی تعداد بھی حاضر تھی۔ پروگرام کے انعقاد میں میرا روڈ اور ممبئی کی سرکردہ شخصیات اور علما و ائمہ نے نمایاں کردار انجام دیا۔

※ ※ ※ ※ ※

تو ہے وہ غوث کہ ہر غوث ہے شیدا تیرا

تو ہے وہ غیث کہ ہر غیث ہے پیاسا تیرا

(حدائق بخشش)

سراپائے نورانی شاہ جیلانی محبوبِ ربانی (۱۳۲۲ھ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

بِسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وعلی حبیبہ الکریم و اٰلہ الصلاۃ والتسلیم

حمدِ حق نعتِ نبی توصیف غوث
بعد از اں سن طالبِ تعریف غوث

غوثِ اعظم کے فدائی کان لا
ذکر شہ ہی نذر شہ کو جان لا

حلیۂ اقدس کہ عینِ نور ہے
بہجۃ الاسرار میں مذکور ہے

ترجمہ ترتیب وار اوس کا لکھوں
گوہر منثور کو لڑیوں میں لوں

وہ مبارک نثر ہو نثرہ نثار
یہ ثریا نظم ہو شعریٰ اشعار

اخبر ناقاضی القضاۃ شمس الدین ابوعبد اللہ محمد بن الا مام عماد الدین ابی اسحٰق ابراھیم بن عبد الواحد المقدسی قال اخبرنا شیخنا الا مام العالم الربانی موفق الدین ابو محمد عبداللہ ابن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی قال کان شیخنا شیخ الا سلام محی الدین ابو محمد عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

نحیف البدن

وہ ابھرا جسمِ نازک خوش نما
وہ نحافت میں نزاکت کی ادا

جس پہ واریں خلد میں اپنی پھبن
یاسمیں۔ نسریں۔ سمن۔ گل نسترن

ربع اقامہ عریض الصدر

قد میانہ سرو باغ مصطفےٰ!!
سینہ چوڑا صحن باغ اصطفا

کیوں نہ ہو سینہ کشادہ دلکشا
حاشیہ ہے شرح صدر شاہ کا

عریض اللحیۃ طویلھا

ہے عریض اُن کی محاسن اور طویل
ہیں جزیل اونکے محاسن اور طویل

عرض وطولِ ریشِ وافر باوقار
طولِ عرضِ سائلاں کے ذمہ دار

اسم اللون

اسم اللون اونکی رنگت گندمی
خوبی وحسن وملاحت سے بھری

گندمی رنگت سہانی دلکشا
وہ سنہرا پھول باغ نور کا

مقرون الحاجبین

ابروے پیوستہ کی دلکش بہار
سو ہلال عید ہوں جس پر نثار

دونوں ماہ عید کی یکجا ہے دید
لو مبارک قادریو عید عید

شاد شاداں جان ودل قرباں کرو
جانِ کہنہ دے کے جانِ تازہ لو

شام تک عید مہ نو ہے تمام
یہ مہ جاوید ہے عید دوام

ادعج العینین

ادعج العینین ہی وصف مبیں — یعنی آنکھیں ہیں بڑی اور سرمگیں
کیا بڑائی اون بڑی آنکھوں کی ہو — جو عیاں دیکھیں رسول اللہ کو
کیا بڑی اللہ اکبر آنکھ ہے — دید اکبر سے مکبّر آنکھ ہے
وہ خدا بیں بندہ پرور آنکھ واہ — مصطفیٰ بیں فیض گستر آنکھ واہ
قدرتی بے سرمہ آنکھیں سرمگیں — باغ مازاغ البصر سے خوشہ چیں

ذاصوت جھوری

جھوری الصوت خوش انداز ہے — وہ بلند آوار بلند آوازہ ہے

وسمت بھی وقدر علی وعلم وفی

ہے عجب روشن روشن رتبہ رفیع — علم والا کامل وپاک و وسیع

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعدِ جداوس جو دپر ہر صبح وشام — سو درودیں سو تحیت سو سلام
اُس سراپا نور پر بعدِ رسول — سر سے پاتک ہو دُرودوں کا نزول
بے عدد بے انتہا بے حد مدام — تا ابد ہر آن ہر لحظہ دوام

دُعاء

یاالٰہی اوس سراپا کے لیے — قادریوں پر تری رحمت رہے
تیری رافت حفظ ہر آفت سے ہو — اون سے جو کچھ کام ہو رافت سے ہو
زندگی بھر ناز ونعمت میں پلیں — بعدِ مردن ظلّ عزت میں چلیں
جب گروہوں کی پکار اس جا پڑے — یہ پکارے جائیں اُن کے نام سے
اُن کی دعوت میں ہو شامل اُن کا نام — یَوْمَ نَدْعُوْ کُلَّ نَاسٍ بِاِمَام
یہ رضا اور اُس کے احباب اقربا — سب اونھیں میں پائیں رضواں ورضا
اُن میں ہوں اُن میں رہیں اُن میں مریں — اُن میں او ٹھیں عیش خلد اُن میں کریں
جیتے جی بندہ غلام شاہ ہو — بعد مُردن اُن کی خاکِ راہ ہو
وہ محرکِ نظم کے محمود جاں — میں بھی ہوں محمود تن مسعود جاں

یَا اِلٰہَ الْحَقِّ اَجِبْ قَوْلِیْ اَجِبْ
اِسْتَجِبْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ اِسْتَجِبْ

۱۶/ جمادی الآخرہ روزِ جان افروز وہابیت سوز دوشنبہ مبارک ۱۳۲۲ھ در جلسۂ واحدہ نظم و تحریر شد

[قارئین! درج بالا نظم امام احمد رضا نے سیدنا غوثِ الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اقدس کی منقبت میں تحریر فرمائی۔ منقبت کے یہ اشعار کتاب مستطاب ''بہجتہ الاسرار و معدن الانوار'' میں حضرت کے حلیہ مبارک کی شان میں درج بالا چند الفاظ کی خوبصورت شرح ہیں۔ امام احمد رضا نے یہ اشعار ۱۳۲۲ھ میں محض ایک نشت میں اپنے خلیفہ مجاز مولانا محمود جان جام جودھپوری کی فرمائش پر تحریر فرمائے۔
یہ نظم امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' ۱۳۲۵ھ میں درج نہیں بلکہ ''باقیات رضا'' میں سے ہے۔ عبید]

فہرست کتب

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

نام کتاب	مصنف / مرتب	صفحات	قیمت (روپے)	قیمت (ڈالر)
نزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین و آسمان۔ و۔ معین مبین بہر دورِ شمس و سکونِ زمین	امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی ترتیب: مولانا محمد حنیف خاں رضوی	104	60/-	4$
مولانا نقی علی خاں۔ حیات و علمی کارنامے	ڈاکٹر محمد حسن قادری (ڈاکٹریٹ مقالہ)	225	160/-	5$
مکتوباتِ مسعودی	عبد الستار نقشبندی	598	400/-	
تذکرۂ اراکینِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	184	80/-	6$
۲۵ سالہ تاریخ و کارکردگیٔ ادارہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	56	25/-	2$
مختصر تعارف، مطبوعات و کارکردگیٔ ادارہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	56	25/-	2$
خلفائے محدثِ بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	156	100/-	5$
امام احمد رضا کی انشا پردازی	ڈاکٹر غلام غوث قادری	136	100/-	7$
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ ایک تعارف	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	56	40/-	2$
اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی اور علمائے کوٹلی	پروفیسر مجیب احمد	64	60/-	4$
جدید طریقۂ نعت خوانی تعلیماتِ رضا کی روشنی میں	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	16		
اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	80	50/-	2$
اشاریۂ سالنامہ معارفِ رضا۔ ۱۹۸۱ء تا ۲۰۰۶ء	مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری	64	100/-	2$
رضویات۔ نئے تحقیقی تناظر میں	☆صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری ☆پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ☆پروفیسر دلاور خان ☆سلیم اللہ جندران ☆خورشید احمد سعیدی	160	150/-	10$
اردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی (ڈاکٹریٹ مقالہ)	680	400/-	
دو مجدد اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری	96	60/-	3$
لال قلعہ سے لال مسجد تک	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری	64	50/-	2$
تعلیمی افکارِ رضا پر تحقیق	سلیم اللہ جندران	174	150/-	10$
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد بلوچستان میں	پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر	64	50/-	4$
امام احمد رضا اور علم صوتیات	ڈاکٹر محمد مالک	64	50/-	4$